# THE BOOK WAS DRENCHED

UNIVERSAL LIBRARY
OU_222252
UNIVERSAL LIBRARY

**OSMANIA UNIVERSITY LIBRARY**

Call No. ۸۹۱۵ ۳۳۳۷ Accession No. 14055
ع ع

Author عبدالرحمن، محمد

Title ۱۸۹۹ع

This book should be returned on or before the date last marked below.

حسب ضابطہ رجسٹری ہو گئی ہے

گر عشق نبودے وغم عشق نبودے
چندیں سخن نغز کہ گفتی کہ شنودے

## ناول

# عارف و زینب

یعنی

## محاربات پلونہ

معروف بہ

## کارنامہ غازی عثمان پاشا نوری

۱۸۷۷ء کی مشہور لڑائی ٹرکی و روس کی سچی تاریخ۔ معرکہ پلونا کا ہو بہو فوٹو۔ ترک جانبازوں کی دلیری وغیرت۔ روسیوں کی بزدلی۔ نمکحرام پاشاؤں کی بددیانتی۔ غازی عثمان پاشا کی حمیت۔ حسن تدبیر۔ عارف کے کارنامے۔ سلطان المعظم کی بیدار مغزی۔ عارف و زینب کی درد بھری داستان۔ غرضیکہ نہایت ہی سچا اور دلچسپ تاریخی ناول

مصنفہ
جناب محمد عبد الرحمن صاحب بی۔ اے

حسب فرمایش منشی فضل الدین صاحب ککے زئی تاجر کتب قومی بازار کشمیری لاہور

مطبوعہ رفاہ عام سٹیم پریس لاہور

CHECKED 1950

# نئے نئے ناول

Checked

## دلکش ہر دو حصہ

مصنفہ مولوی عبدالحلیم صاحب شرر لکھنوی۔ اُن طالب علموں اور کالج کے اعلےٰ تعلیم یافتوں کے حالات کا نقشہ دلکش دلچسپ ناول کے پیرایہ میں کھینچا گیا ہے جو اپنے والدین کی آنکھوں سے دور دور کالجوں اور سکولوں میں منچلا پن کرجاتے ہیں۔ اس ناول کے ہر دو حصہ ہیں اگر دو صفحہ کا مطالعہ کرکے سارا ناول ختم کرنے کا ولولہ پیدا نہ ہو تو حلف پر واپسی کا اقرار ہے

قیمت ہر دو حصہ ... ۱۴ر

Checked 1909.

## دلچسپ ہر دو حصہ

ہندوستان کے معزز خاندانوں کے حالات کا آئینہ۔ انگریزی بلیغ انشا پردازی کا نمونہ۔ حرفوں کے ذریعہ سے تصویر دکھا دینے کا آلہ اردو ایک باعزت زبان بنا دینے کی کل دلوں پر اثر ڈالنے کی حکمی قوت مصنفہ شرر قیمت ... ... ... ... ۴ر

## درگیش نندنی

یہ مشہور ناول ہے جو نقریباً تمام زبانوں میں ترجمہ ہو کر چھپ چکی ہے اس میں شاہنشاہ اکبر اور قتلو خان والئے بنگالہ کی لڑائی کے ضمن تلوتما کی حسن اور کنور جگت سنگھ کے عشق کی حیرت انگیز سرگذشت درج ہے۔ مترجمہ شرر قیمت ... ... ...

## ملک العزیز ورجنا

یہ وہ ناول جس میں اسلامی شان و شوکت اور دینی جوش کے بے نظیر نمونے نظر آتے ہیں اور یہ وہی ناول ہے جو دلگداز کے ساتھ میں شائع ہوا مصنفہ مولوی عبدالحلیم صاحب شرر لکھنوی۔ قیمت ... ... ... ...

## حسن انجلینا

یہ وہ ناول ہے جس میں ترکوں اور روسیوں کی لڑائی کے سچے تاریخی واقعات درج ہیں۔ ترکوں کا اہل ایران سے اتفاق کا جوش اسلام سے ترکوں کی امداد کو آنا اور روسیوں کو متواتر شکستیں دیکر اُن پر عظیم الشان فتوحاتیں حاصل کرکے اسلامی جوش ہمدردی دکھانا آخرکار شیعہ اور سنیوں کا مذہبی فساد ہونا وغیرہ وغیرہ یہ وہی ناول ہے جو ۱۸۹۰ء میں دلگداز کے ساتھ ہوا۔ مصنفہ شرر۔ قیمت ... ... ... ... ۸ر

## منصور اور موہنا

اس ناول میں سلطان محمود غزنوی کے جوش اسلام اور ہندو راجہ اجمیر کی بہادری کی سچی تصویریں نظر آتی ہیں اور جو ۱۸۹۰ء میں دلگداز کے ساتھ شائع ہوا مصنفہ شرر ... ... ... ... ۸ر

# دیباچہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جب کسی کے ہاتھ کوئی کتاب پڑتی ہے تو خواہ مخواہ اُس کا جی چاہنے لگتا ہے کہ ان اوراق کے سیاہ کرنے والے کا کچھ ذرا سا حال معلوم ہو جاتا تو بہتر تھا۔ ایسے ہی صاحبوں کی تسلی کی خاطر کچھ کہنا پڑتا ہے ورنہ جو خود ہی گم ہو اُس کا کیا پتہ تبلایا جائے جن تعلقات کے ساتھ گوشۂ عدم سے ہستی کی بادیہ پیمائی کے خاطر اس دنیا میں آیا اُن میں سے اب ایک بھی نہیں رہا۔ یکہ و تنہا بے یار و غمخوار خود ہی رہ گیا ہوں نام لینے کو کہا جاتا ہے کہ **مدرسۃ العلوم مسلمانان علیگڈھ** کا طالب العلم ہوں۔ اوائل عمر سے تا اختتام تعلیم دس گیارہ برس کا زمانہ وہیں گذرا ہے۔ اور جبتک وہاں رہا اچھا رہا۔ مدرسۃ العلوم سے نکلتے ہی دنیا کی بھیانک صورت نظر آنے لگی۔ اور سارا کارخانہ خود غرضی اور نفس پرستی کا دکھلائی دینے لگا۔ جو شخص کہ ایک دنیا کو قوم کا سبق سکھلا گیا ہے۔ اُس نے قوم اور حق القوم کو ہمارے خون اور ہمارے خمیر میں حل کر دیا تھا۔ قوم کی تباہ حالت کا دیکھنا سبب قرار دینا اور علاج کا طالب ہونا تو ایک طول امل ہے۔ ہر کسی کے بس کا نہیں لیکن کسی طرح سے مفید قوم ہونا مسلمانوں کے کام آنا ایک ایسی خواہش ہے کہ جس سے علیگڈھ کے طلبا مشکل سے بچ سکتے ہیں۔ یہ خواہش تو ہر کسی کے دل میں ہوتی ہے مگر اُس کا اظہار بہت کچھ اتفاقات کے اوپر منحصر ہے۔ خصوصاً مجھ جیسے کم مایہ اور کم بضاعت کیواسطے۔ اتفاقیہ ایک کتاب "دی باٹل اوف پلونا" ([illegible]) میرے ہاتھ

لگ گئی جس محویت کے عالم میں میں نے اُس کا عبور کیا - میرا ہی دل خوب جانتا ہے آنکھیں سی کھل گئیں کہ اب بھی ایسے جانباز مسلمان اِس دنیا میں موجود ہیں - مانا کہ وہ اَور طبقہ کے لوگ ہیں لیکن ہیں تو مسلمان ہی نا - اُخوتِ اسلام نے جوش کھایا - دل نے کہا اس کا ترجمہ کر ڈال - لیکن خدا کو یہ منظور نہ تھا - جن صورتوں سے کہ وہ کتاب میرے ہاتھ لگی تھی بہت جلد وہ صورتیں میری اختیاری نہ رہیں اور ترجمے کے خیال کو خیرباد کہنا پڑا اثنائے مطالعہ میں کچھ واقعات نوٹ کرتا گیا تھا ایک مرتبہ جو اُسکے اوپر نظر پڑی تو معاً دل بول اُٹھا کہ اس کو ناول کی صورت میں کیوں نہیں ترتیب دیتا - اس سے اگر خدا نے چاہا بہت سے سوتے جاگ اُٹھینگے - جو نیت کہ خالصتہً للہ ہو وہ کبھی رائگاں گئی ہے چنانچہ اُسکو لکھنا شروع کیا - لکھنے کے ایام میں بھی عجیب کیفیت سی طاری رہی - اکثر سارا سماں آنکھوں کے آگے پھر گیا جس کا خاکہ اپنے بھدّے قلم سے کھینچتا رہا - بہت کوشش کی لیکن اُن تصوّرات کے عشرِ عشیر تک بھی نہیں پہنچا - کتاب تیار ہونے کے بعد عرصہ تک پڑی رہی کہ کوئی قدردان ملّتِ اسلام کا درد کسی کو تحریک کرے کہ کتاب چھاپ دے یا چھپوا دے - مفت دینا بھی گوارہ تھا - مگر اِس عالم اسباب میں مجھ جیسے کم علم اور ہیچمدان کی کون سنتا تھا - لیکن اللہ کسی کی محنت رائگاں جانے نہیں دیتا - اتفاق سے منشی **محمد فضل الدین** صاحب ککے زئی تاجر کتب **قومی** (جن کی قومی ہمدردی اور اسلامی تصنیفات کا شایع کرنا شہرۂ آفاق ہے) کی خدمت میں ملازمت کی نوبت پہنچی اُنہوں نے نہایت خوشی سے اِسکا اہتمام اپنے ذمہ لے لیا اور میں نے بخوشی خود اِسکے تمام حقوق اُن کو دیدیئے - ایسے محسن کا احسان دل میں گھر کرے تو بہتر زبان سے کچھ کہنا نہیں چاہتا - صرف اسی پر اکتفا کرتا ہوں کہ اُن کے لیئے اللہ کے نزدیک اجر عظیم ہے +

اب ناظرین کی خدمت میں التماس ہے کہ اُنہوں نے اگر اِس بے صرف اور بے حقیقت کتاب کی قدر کی تو وقتاً فوقتاً اور اچھے اچھے مضامین کتب سیر و تواریخ کے متعلق مثلاً سوانح عمری مولنا روم رحمۃ اللہ علیہ و سوانح عمری امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ وغیرہ ہدیہ خدمت کرتا رہوں گا - فرنچ زبان میں اسلامی کتابیں زیادہ ہیں اگر احباب نے میری مدد کی تو میں وعدہ کرتا ہوں اور جان ہیں یہ وعدہ نصوح ہے کہ اُسی زبان سے مضامین اخذ کر کے ہدیۂ ناظرین کرتا رہوں گا ٭

**عبد الرحمٰن** از ہوشیارپور

مورخہ ۲۲ - جولائی ۱۸۹۹ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# رُخصت

**زینب** :۔ ہاں تو کل آپ چلے جائیں گے۔ پھر مُلاقات نہیں ہوگی"۔

کس بھرے ہوئے دل سے یہ خطاب زینب نے عارف کی طرف کیا کہ اُس کا اپنا دل ہی جانتا ہوگا اور اُس کا کچھ لطف عارف سوگوار سے پوچھا چاہیئے۔ عارف نے مُنہ پر رومال دے لیا اور لرزتی ہوئی آواز سے آنکھیں نیچی کیئے کہا :۔

**عارف** :۔ جی ہاں۔ جانا۔ لازمی آگیا ہے" اور ایک ٹھنڈی سانس بھری کہ جس سے جگر سارا ہل گیا۔

**زینب** :۔ "تو میں جی بھر کر دیکھنے بھی نہ پائی"۔

**عارف** :۔ "ہاں اگر زندگی ہے تو پھر مل لینگے"۔

**زینب** :۔ "لیکن اب تو سدھارے نا۔ اور کہاں۔ سن کی طرف جہاں سے لوٹنا معلوم"۔

**عارف** :۔ "ہراساں کیوں ہوتی جاتی ہو۔ خدا کوئی چیز نہیں ہے؟"

**زینب** :۔ "کیوں نہیں۔ اور اُسی کا سہارا ہے۔ یہاں سے تو موت کے مُنہ میں چلے نا"۔

**عارف** :۔ "تم نے چکی میں کسی کو دانے دلتے نہیں دیکھا۔ پس تو سب ہی جاتے ہیں لیکن وہ ایک ثابت بھی رہ ہی جاتے ہیں۔ کیا خدا پر بھروسا کر کے اُنہیں ثابت دانوں میں سے ایک دانہ مجھے نہیں شمار کر سکتیں؟"

**زینب** :۔ "کیوں نہیں۔ لیکن دل سوستا ہے۔ کلیجہ مُنہ کو آتا ہے۔ زمین پیروں تلے سے نکلی جاتی ہے"۔

**عارف** :۔ "آخر اس اضطرابی سے فائدہ؟"

**زینب** "بس اس لفظ کو اپنی زبان سے مت نکالو۔ میں بھی جانتی ہوں جاؤ گے ضرور۔ تو کیا کوئی صورت یہاں رہنے کی نہیں؟"

**عارف** "تمہاری حسرت بھری آواز سے جی دہلا جاتا ہے۔ اور دل پر ہاتھ رکھکر کہنا پڑتا ہے کہ کوئی صورت نہیں۔ کیشتیں سب کو جل چکے ہیں"۔

**زینب** "تمکو ہماری جدائی کا کوئی الم نہیں؟"

**عارف** "تمہارے غم کے سوا اور کوئی غم نہیں۔ جس طرح سے کہ برقی سوئی کشش مقناطیس سے متاثر ہو کر ہمیشہ شمال کیجانب کو دکھاتی ہے اُسی طرح سے تمہارے عارف تمہارے سوگوار عارف کا دل۔ کہیں وہ کیوں نہو تمہاری ہی طرف مائل رہیگا"۔

**زینب** "اور تمہاری جُدائی کے عالم میں تمہاری سلامتی جان کی خاطر دُعا کیا کروں گی"۔

**عارف** "تمہاری دُعا کا یہ دل ناتوان ہمیشہ متمنی رہیگا"۔

**زینب** "لیکن عارف بہت جلدی چلے۔ تمہارے ہی خاطر یہاں اتنے دن ٹھہر گئی تھی"۔

**عارف** "آہ۔ زینب سب کچھ جانتا ہوں اور تمہاری جدائی جیسی شاق ہے۔۔"

**زینب** "اور رہتے تو رہتی۔ اب کس کو دیکھکر جیئوں گی۔ مجھے تو ہر وقت معلوم ہوا کرے گا کہ اب عارف آئے اب آئے۔ راستہ تکا کروں گی"۔

**عارف** "سچ ہے زینب تمہاری جدائی کا قلق جدا نہیں ہو گا۔ لیکن تم۔۔۔"

وفورِ شوق اور ہجوم غم نے اور کچھ کہنے نہیں دیا لیکن زینب تھی تیز فہم زکی بیہودن پُرفن تاڑ گئی اور آنکھوں ہی آنکھوں میں اشارے ہو گئے۔

**زینب** "بھلا یہ ممکن ہے۔ تمہیں دل دیکر اور بھی کسی کو اپنا خریدار بناؤں گی۔ یوں ساری دنیا والا و شیدا کیوں نہو۔ مگر جہاں ایک مرتبہ جس کی ہولی ہولی۔ میرے لیئے تم ہی ہو جو کچھ ہو۔ ہائے کیونکر کہوں کہ تمہیں پیار کرنے کے بعد اور کسی کو کیا منہ دکھاؤں گی۔ میرا ان پر یہاں۔۔ الا عارف سلامت۔ میرے دل و دین کا خریدار سلامت"

زینب حقیقت ہے کہ بے روح کے قالب تم سے رخصت ہوتا ہے

کہاں تک ضبط کروں ۔ یا نصیب یا قسمت ۔ مجھ کو اپنا کچھ ........"

اتنا عارف کہنے پایا تھا کہ اور آگے کچھ کہا نگیا ۔ اُس کے گلے میں پھانسی سی لگ گئی اور آنکھوں سے جھراروں آنسو زمین پر گرنے لگے ۔ زینب کی آنکھیں پُرنم تو پہلے سے تھیں ہی ۔ عارف کو روتا دیکھکر وہ بھی رونے لگی اور اُس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیکر کہا " کیوں عارف مرد ہونے کے یہی معنی ہیں ۔ میں اگر روؤں تو بجا ہے کیونکہ عورت ذات ہوئی کم سن ہوئی دنیا سے بے خبر ہوئی ۔ تم لڑائی پر جاتے ہوئے روتے ہو کیا تمہارے لئے میرا وعدہ کافی نہیں ہے ۔ عارف یقین مانو ۔ میں تمہاری ہوں اور تمہاری ہی ہوکر رہوں گی "

یہ باتیں جیسے تیر کی طرح سے عارف کے کلیجہ کے پار ہو گئیں جیب سے رومال نکال کر آنسو پونچھے اور کہا شاباش ہے زینب مرحبا ۔ تمہاری میری ملاقات کو صرف ایک ماہ کا عرصہ گزرا ہے ۔ ابھی تک تمہیں نہیں معلوم کہ میں کون ہوں ۔ اتنا تو پوچھا ہوتا کہ عارف تم بھی ہمیں چاہتے ہو ۔ عارف تمہارے باوا جان کون ہیں کہاں ہیں ۔ وجہ معاش کیا ہے یا یوں ہی ایک سپاہی کے اوپر جان دیتی ہو "

**زینب** " ایک جان کیا ہزار جان آپ کو معلوم ہوگا یہودی معاملات میں بڑے پکے ہوتے ہیں اور مجھ جیسی دوکاندار کی لڑکی جس کو روز ایک نہ ایک چھیلے جوان کا سامنا ہو تعجب ہے کیونکر میں تمہارے دام میں گرفتار ہو گئی ۔ لیکن جو کچھ بھی ہو سب میرے لئے تمہیں ہو ۔ اگر فقیر ہو تو میرے واسطے اگر صاحب دول ہو تو میرے واسطے یہودی کو پہلے روپیہ کا خیال آتا ہے اور میں بھی اس سے بری نہیں ہوں ۔ لیکن نہیں تمہارے ساتھ کچھ عجیب ہی حال ہو گیا ہے ۔ کیا کہوں کچھ بیان نہیں کر سکتی "

**عارف** " تو میں تمہیں آج بتلاتا ہوں کہ کون ہوں کیا ہوں اور یہ میرے لئے بتلانا آج بڑا ضروری ہے ۔ (اسوقت عارف نے ایک چھوٹا منقش سنہری وقچہ اُس کے حوالہ کر کے کہا ) پہلے تو یہ لو اس میں کچھ کاغذات ہیں اگر زندہ بچ آیا تو لیلوں گا ورنہ تم سے زیادہ اِن کا اور کوئی حقدار نہیں ۔ حقیقت یہ ہے کہ دنیا میں میرا کوئی نہیں ہاں اللہ نے ایک تمہیں اپنا بنا دیا ہے سو تم سے جُدا ہوتا ہوں ۔ اسے حفاظت سے رکھنا ۔ یہ میری امانت رہیگی "

**زینب** "تمہارے برابر ہمیشہ دل کے ساتھ۔ تمہاری نشانی۔ تمکو یاد دلانیوالی میں سمجھتی ہوں۔ اس میں تمہاری تصویر بند ہے۔ تو وہ میرے دل کے ساتھ ہو گی"

**عارف** "نہیں زینب تصویر تو نہیں۔ دو چار ردّی کاغذ ہیں۔ مرے ہوئے باپ کی نشانی ہے۔ میرے والد سوداگر تھے۔ سال میں ایک دفعہ شام و روم کا سفر کیا کرتے تھے۔ افریقہ بھی جاتے تھے مصر۔ سوڈان۔ ٹونس۔ الجیریا سب اُن کا چھانا پڑا تھا۔ یہیں قسطنطنیہ میں سلطانی محل کے قریب دوکان تھی۔ سب قسم کا اسباب مہیا تھا۔ ہر کوچہ و بازار میں میرے باپ کا نام مشہور تھا۔ اب بھی چاہو پوچھ لو علی حسن کو کون نہیں جانتا ہے۔ میری صغرسنی میں میری والدہ نے انتقال کیا۔ میرے باپ نے دوسری شادی ایک عیسائی عورت سے کی۔ وہ نسل سے انگلش تھی۔ اتفاقاً باپ کا بھی میرے انتقال ہو گیا۔ میری سوتیلی ماں نے ایک اور عیسائی سے شادی کر لی۔ غرض یہ کہ میں غیروں کے بیچ میں یکہ و تنہا رہ گیا"

**زینب** "تو آپ شروع ہی سے ستم رسیدہ ہیں۔ اور آپ نے یہ حال مجھسے پہلے نہ بیان کیا"

**عارف** "دیکھو کہتا ہوں مجھ کو پہلے معلوم ہی کہاں تھا۔ بندرگاہ کے قریب ایک بڑھیا سن سفید رہتی ہے۔ میرا بھی مکان غالباً وہیں تھا۔ بچپن کے زمانہ سے میں اُسے جانتا ہوں۔ نام تو خدا جانے کیا ہے مگر میں دادی اماں کہا کرتا ہوں۔ اُس نے مجھ کو بلا کر کل کہا۔ بیٹا تمہاری ایک امانت ہے۔ آج بیس برس سے اس کو سنبھالے چلی آتی ہوں۔ تمہارے باپ تو خلد آشیان یہاں سے سدھار گئے مجھ کو یہ امانت دے گئے تھے کہ جب سمجھدار ہو جائے تو اُس کو دیدینا۔ میری عمر اب ہو چکی ہے۔ مُنہ میں ایک دانت نہیں ہے اور میرا بھی آگے پیچھے کوئی نہیں ادھر یوں لڑائی کی تیاری ہو رہی ہے۔ تو لو بھئی اپنی امانت لو۔ خدا کے نزدیک تو رُوسیاہ نہوں میں نے پوچھا کہ یہ کیسی امانت ہے۔ اس میں کیا ہے۔ کہا کہ اس کا قصّہ طول ہے لیکن بتلانا بھی لازمی ہے۔ تمکو اپنی ماں کی موت تو کہاں یاد ہو گی میں نے

کہا ئیں تو عصمت ننھا بچہ ہوں گا جب اُنھوں نے انتقال کیا ہوگا - کہاں ان گودی میں تھے (اس جگہ وہ نیک نہاد بڑھیا میری والدہ مرحومہ کو یاد کر کے رونے لگی) ایسی نیک بخت بیبیاں کم ہوتی ہیں - مجھ غریب مسکین پر تو عین مہربانی تھی - اور میں نے بھی کسی امر میں کبھی دریغ نہیں کیا - آپ کے والد کو بھی معلوم ہو گیا تھا کہ میں کس طرف کی عورت ہوں "

**زینب** " یہ نہ پوچھا اُس وقت آپ کی کیا عمر ہو گی "

**عارف** " ہاں سنو تو خود ہی کہا میری اُس وقت یہی عمر تھی جو اب ہے - اب بھی بوڑھی ہوں جب بھی بوڑھی تھی - بال اب بھی سفید ہیں جب بھی سفید تھے - فرق صرف اتنا ہے کہ منہ میں دو چار دانت باقی تھے اور اب کچھ نہیں - ہاں چنانچہ تمہاری والدہ کا انتقال ہو گیا - مرگ اتفاقیہ کہنا چاہیئے - جوان تندرست خوش ہنستی کھیلتے دو روز بخار آیا اور اُن کی موت کا پیام لے آیا - خیر وہ تو رخصت ہو گئیں اور تمہارے والد اکیلے رہ گئے - تمہارا پرورش کرنا ایک سخت دشوار امر تھا - میں نے فرصت پا کر دو چار مرتبہ کہا بھی کہ میاں شادی کر لو یوں رنڈوے کب تک گزارو گے اور دوسرے اس بچے کا پالنا بھی بڑا فرض ہے - میں نے اُن کو بہت سمجھایا بہت سر کھپایا - مگر اُن کی سمجھ میں ایک بات بھی نہ آئی - لیکن نہایت مغموم رہا کرتے تھے اور علیحدہ رویا بھی کرتے تھے - میں نے خود اُن کو روتا دیکھا ہے - مگر معلوم نہیں اُن کے دوستوں نے وہاں باہر بھی اُنہیں سمجھایا کیا کیا - پھر ایک روز جو موقع پا کر میں کہتی ہوں کہ میاں بی بی کا سوگ کب تک لادے رہو گے دنیا کیا کہیگی اپنے دوستوں میں نکو بنو گے لوگ کیا کہہ کر چھیڑینگے - اُن کی سمجھ میں بھی آ گئی - مجھ سے کہا عصمت سچ کہتی ہے لیکن کیا کروں تو جانتی ہے جو صدمہ کہ گزر گیا ہے اور گزر رہا ہے - میں نے بھی ڈھیٹ ہو کر کہا میاں یوں روگ پالنے کا تو کوئی علاج نہیں سہل علاج میں تو یہ جانتی ہوں کہ نکاح کر لو اور نکاح کرو بھی تو ایک فرنگن سے انگریزی نسل کی ہو دلداری اور عشوہ گری اُن میں کوٹ کوٹ کر بھری جاتی ہے - طرحدار عورت کا بہم پہنچانا میرا کام ہے - مال متاع پر یہ جان دیتی ہیں - سو اللہ کا دیا کیا نہیں ہے - اگر آپ نے ایسا کیا تو یقین مانیں کہ یہ سب غم غلط ہو جائینگے - دنیا کا کچھ مزا بھی پائینگے - معاملات میں حظ آئیگا - پہلے تو مجھ سے کہا نہیں عصمت اب کیا نکاح کروں گا - لیکن میں بولی میں کیا

جانتی تھی کہ وہ وبال جان ہوجائے گی) تو اپنی جوانی یوں ہی رائگاں جانے دو گے۔"
**زینب** "حقیقت میں بڑھیا عورتیں ہوتی ہیں بڑی غضب کی۔ دیکھو نا۔ کس ڈھنگ پر چلی ہے"
**عارف** "ہاں سنو تو۔ بڑھیا نے کہا تم اپنی جوانی اکارت جانے دو گے۔ بھلا کچھ تو اس کے مزے اٹھاؤ۔ غرض یہ کہ بڑی ردوکد کے بعد ابا جان راضی ہو گئے اور اُس کو تلاش کے لیئے مقرر کیا یہ کوئی بڑا کام نہیں تھا۔ تھوڑے ہی دنوں کے بعد خبر لائی کہ ایک انگلش لڑکی نہایت ہی خوبصورت سیر کے واسطے اپنے بھائی کے ساتھ آئی ہوئی ہے اور حقیقت یہ کہ **مس بلونا** تھی بڑی خوبصورت۔ تمام شہر اُس کا تماشائی تھا۔ چنانچہ بصد دقت نکاح قرار پایا اور یہ وعدہ ہوگیا کہ مس بلونا اپنا مذہب نہیں بدلے گی۔ لیکن زینب یقین مانو کہ ایسی عورتیں ذرا پاک ہوتی ہیں کم۔ نکاح تو ہوگیا رہنے سہنے لگے مگر اتفاق نہیں"
**زینب** "اتفاق کس طرح نہیں کچھ خرچ کی تنگی نہ تھی۔ انگلش ہوتی ہیں مصرفہ"۔
**عارف** "نہیں کوئی بات نہیں۔ اللہ کا دیا سب کچھ تھا اور مال و متاع کی مالکہ وُہی بن بیٹھی۔ اُس کا بڑا تقاضا تخلیہ اور ہنسی مذاق تھا۔ اس سے تمام کاروبار بگڑتا تھا۔ یہاں ہونا تھا ضوابط کے موافق ہر ایک کام۔ رات دن تو تخلیہ میں غرق کرنا نہیں تھا۔ چنانچہ شروع ہی سے نااتفاقی ہوگئی اور ایک جہاز کے خلاصی سے شاید اُس کا نام نادر تھا آنکھ لگ گئی۔ یہ باتیں زینب ننگِ خاندان ہیں لیکن تم سے بیان کرتا ہوں"
**زینب** "کسی غیر سے تو نہیں بیان کرتے۔ کہو قصہ بڑا ہی دلچسپ ہے اور کوئی بات نہ چھوڑو"
**عارف** "وقت کم ہے ڈو بج گئے ہیں۔ جوانوں کی چار بجے حاضری ہوتی ہے اور پھر سفر کی بھی تیاری ہے"
**زینب** "تو اچھا ذرا مختصر کردینا"
**عارف** "ہاں تو معاملہ اس طرح عرصہ تک جاری رہا۔ باپ کو ایک نیا روگ لگ گیا اور میرے ساتھ جو بدسلوکی ہوتی رہی اُس کے لیئے ایک نئی داستان چاہیئے۔ ابا جان نے اپنے دل میں کہا کہ یہ تو بڑا خراب معاملہ ہوا عصمت سے صلاح کی کوئی تدبیر

نوبت آئی۔ اُس وقت میری عمر کوئی دس برس کی ہو گی۔ مدرسہ میں پڑھا کرتا تھا۔ مجھے کسی بات کی بھی خبر نہیں۔ یہاں مسٹر ہاورڈ اور مس بلونا میں جو اب مسٹر علی حسن ہیں یہ قرار پایا کہ علی حسن کو کسی طرح سے مار ڈالو۔ چنانچہ زہر دیکر اُس بیچارے کو تو مار ڈالا جب کہ میری والدہ مری ہیں جائداد منقولہ اور غیر منقولہ کے کاغذات عصمت کے پاس رکھا کرتے تھے۔ مرتے وقت حضرت اتنی فرصت ملی کہ عصمت سے میرے حوالہ کر دینگی کہہ گئے دوکان میں بھی بہت کچھ اسباب تھا۔ بیچ بیچ کر کھاتے رہے۔ اور تھوڑے دنوں کے بعد مسٹر علی حسن مسٹر ہاورڈ بن گئیں۔ میری عمر کوئی پندرہ برس کی ہو گی۔ اُس وقت میرے مار ڈالنے کا بھی اُنھوں نے ارادہ کیا تھا۔ زہر دیدیا تھا۔ لیکن جس ڈاکٹر سے میرا علاج متعلق تھا وہ میرے والد مرحوم کا دوست تھا اور انگریز ڈاکٹروں کو بہت مانتے ہیں وہ اپنے یہاں اُٹھا کر لے گیا اور وہیں سے جیتا جیتا بچ گیا۔ ۱۹ برس کی عمر میں مجھے مدرسۂ حربی میں دیدیا اس خیال سے کہ لڑائی میں کہیں مر رہوں گا اور مال و دولت سب اُن کے ہاتھ آجائے گا۔ مجھ سے اُنھوں نے کسی طرح سے دریغ نہیں کیا۔ میرے باپ کو مار ڈالا۔ میرے خون کے پیاسے ہیں اور طرفہ یہ کہ میرے ہی مال و اسباب پر رنگ رلیاں منا رہے ہیں اور مجھی کو نیست کرنا چاہتے ہیں۔ خیر خدا کی جو مرضی میں تو کچھ کہتا نہیں۔ اللہ منصف ہے "

**زینب** :۔ اس صندوقچہ میں کتنا مال ہے۔ ذرا کھولو تو امانت رکھنے والے کو معلوم تو ہونا چاہیئے "

**عارف** :۔ نہیں کیا کرو گی کھول کے۔ یہ چابی ہے اس کو امانت رکھنا "

**زینب** :۔ خیر جو مرضی۔ یوں اگر دیکھا جائے تو میں بات کرنے میں کسی سے کم نہیں ہوں لیکن تمہارے آگے زبان تک نہیں چلتی۔ اچھا تو جیسی مرضی۔ لیکن میں مکر گئی تو "

**عارف** :۔ تم اور مکر جاؤ گی۔ اچھا اگر اللہ کو یہی منظور ہے تو یہ بھی سہی "

**زینب** :۔ تمہیں اس زر کے ضائع ہو جانے کا کچھ خیال نہیں "

**عارف** :۔ تمہارے ہاتھوں سے ایک ذرا بھی نہیں۔ آہ۔ زینب تم نہیں جانتی ہو کہ جان و مال سب تمہارے اوپر سے قربان ہیں۔ اسکی کیا حقیقت ہے "

زینب نے عارف کی طرف جواب کے نہایت ہی پیار کی آنکھوں سے دیکھا معلوم ہوتا تھا کہ وہ ایک دفعہ ملنے اور بوسہ لینے کی آرزو کر رہی ہے - اور یہ اگر اس وقت نہ ہوا تو ممکن ہے کہ حشر تک نہ ہو - عارف اُن مخمور آنکھوں کی زبان سمجھ گیا اور اُس کو ایک ہاتھ سے کھینچکر اپنے سینے سے لگالیا اور اُس کے ملائم رخساروں پر ایک بوسہ اِدھر اور ایک بوسہ اُدھر دیکر کہا - اَور کوئی آرزو ہے یہ آخری ملاقات ہے - اب رخصت دو - تو جائیں - وقت قریب آگیا ہے +

**زینب** "آؤ ایک مرتبہ اَور مل لیں - پھر بس جاؤ - خدا حافظ"

دونوں عُشاق پھر بغلگیر ہو کر علیحدہ ہو گئے اور اِس خیال سے کہ اشتیاق ان کو اَور روکے عارف نے نظر اُٹھا کر بھی اُدھر نہ دیکھا اور لڑکھڑاتے پاؤں سے باہر نکل آیا - برآمدے میں آکر اپنے آنسو پونچھے اور بارک کی طرف روانہ ہوگیا - زینب کوئی گھنٹہ بھر تک بے حس پڑی رہی اور اُسی حالت میں سوگئی - خواب میں اپنے پیارے کے ساتھ آپ کو لڑائی میں شریک دیکھا - تُرکوں کی کامیابی کے باجے سُنے اور اس فرحت بخش خواب میں معلوم نہیں کب تک پڑی رہی +

# مسٹر ہاورڈ اور مسز ہاورڈ

اللہ تعالیٰ نے حضرت انسان کو ایک عجیب چیز بنایا ہے۔ عیش و آرام۔ تن آسانی اور دلچسپی کی طرف تو ایک قدرتی لگاؤ ہے۔ کہیں عیش و طرب کا سامان مہیا ہوا چاہیئے اور یہ جوق کے جوق وہاں جمع ہیں۔ لیکن اس خواہش کے ساتھ ہی ایک قسم کی سیری بھی عطا ہوئی ہے۔ یعنی راگ و رنگ۔ کھانے کھلانے کا لطف یا اَور حظِ نفسانی کی صورتیں ہمیشہ قایم نہیں رہتیں۔ اس کے لیئے بھی زمانے کا تعین ہے۔ جہاں وہ وقت گذر گیا۔ بے لطفی آگئی۔ بھوک کے وقت کھانے کی خوشبوء کیا ہی لذیذ ہوتی ہے اور پھر اس کے اوپر امید ہو تو منہ میں پانی بھی بھر آتا ہے۔ لیکن جب سیری ہو چکی تو وہی خوشبوء دماغ کے پراگندہ کرنے کے لیئے کافی ہوتی ہے۔ یہی حال مس بلونا اور مسٹر ہاورڈ کا ہوا۔ اِن دونوں کا ملاپ عاشقانہ تھا اور جب تک عشق پُر لطف رہا سب کچھ تھا سبھی باتیں اچھی معلوم ہوتی تھیں۔ مس بلونا کی ہر ایک ادا ہاورڈ کو اور ہاورڈ کی ہر ایک ادا بلونا کو بھاتی تھی لیکن تا بکے۔ آخر ہر خواہش کو سیری ہوتی ہے۔ خواہش نفسانی بھی چنانچہ اُس سے علیحدہ کوئی اَور چیز نہیں۔۔ آخر دونوں کا دل ایک دوسرے سے اوچاٹ ہونے لگا بجائے اس کے کہ دونوں ہمیشہ اور ہر وقت تخلیہ کے شایق ہوں اب اَور اَور باتیں سوجھنے لگیں۔ ایسے موقع پر ایسی طبیعتوں میں اختلاف پڑنے کے بعد اپنی اپنی راہ لیتے ہیں اور پھر ایسے بھول لیتے ہیں کہ کبھی ایک دوسرے کو یاد بھی نہیں کرتے۔ یہی حال یہاں بھی ہوتا مگر قدرت کو یہ بات منظور نہ تھی۔ ایک کامن کاز کے دُور ہونے کے بعد ہی دوسرا اُن کے دل اور دماغ کے اوپر حاوی ہو گیا اور وہ کیا تھا عارف کی تباہی۔ بربادی اور غایت موت دونوں کے دلوں پر ایسی حاوی ہوئی۔ کہ جب دونوں اکٹھے ہوتے تو اُسی کی تدبیریں سوچتے اور اسی جستجو میں رہتے۔ کامن کاز بھی ایک عجیب شے ہے۔ اتفاق کا تو جزو اعظم سمجھنا چاہیئے۔ غایت اچھی ہو یا بُری۔ اگر کامن کاز مہیا ہے تو مرتے بھی ہیں کھپتے بھی ہیں اور پھر اُٹھتے ہیں۔ جبتک کامن کاز۔ کامن کاز ہی کوئی شئے

علیحدہ نہیں کر سکتی۔ بعض جگہ تو نیچر خود اس کو مہیا کر دیتا ہے اور جہاں نیچر خود مہیا کرنے سے قاصر رہ جاتا ہے وہاں ہر ایک سمجھدار آدمی کا اعلیٰ فرض ہے کہ اپنی قوم میں کامن کاز مہیا کرے۔ یہ ایک ضروری مسئلہ ہے۔ چنانچہ ایسا ہوتا ہے۔ مذاہب کی تفریق۔ قوم وملت کا پاس اس بات کی دلیل ہے۔ ہمارے مسٹر اور مسز ہاورڈ کا کامن کاز عارف کی تخریب تھی اور یہ سب اس وجہ سے کہ اس کا مال متاع ہمارے ہاتھ آئے اور دنیا کے مزے اوڑائیں۔ اور عارف بیچارہ کا خدا حافظ۔ عارف کو مدرسہ حربیہ سلیمیہ میں داخل کرنے کے بعد ان دونوں نے ایک کوٹھی لب دریا غلطہ نہایت ہی پرفضا جگہ پر لے لی اور اسکو سامان عیش وعشرت سے عموماً مہیا کیا تھا۔ کھانا تو یہاں ہوٹلوں میں کھانا کوئی عیب نہیں اور ایسے آوارہ منش لوگوں کیواسطے ہوٹلوں ہی کو ڈرائینگ روم قرار دینا موزوں ہے۔ دونوں دن رات کا اکثر حصہ سیر وتماشہ میں بسر کرتے اور جب ملتے تو اس بات پر خوش ہوا کرتے۔ مدرسہ حربیہ میں داخل کر ہی دیا ہے جنگ کی خبر گرم ہے۔ کہیں اپنا لڑکا رہیگا۔ خون بھی ہماری گردن پر نہیں ہوگا۔ عورت کہتی تدبیر تو اچھی سوچی ہے مانتی ہوں میں بھی تیرے دماغ کو۔ سانپ مرے اور نہ لاٹھی ٹوٹے اسی کا نام ہے۔ ایک دفعہ جمعہ کا دن تھا۔ دونوں ذرا جلدی آ گئے لیکن پھر بھی رات کے گیارہ بج چکے تھے اور گرمیوں کا زمانہ نہ تھا۔ ستمبر اکتوبر کا مہینا ہوگا۔

**مسز ہاورڈ** "اور بھی تم نے کچھ سنا بڑا غضب ہوگیا۔ تمہاری تمام کی کرائی محنت اکارت جاتی ہے"

**مسٹر ہاورڈ** "ہیں کیا اور کونسی محنت!"

**مسز** "تمہیں نہیں خبر"

**مسٹر** "مجھے تو معلوم نہیں۔ کہو تو سہی"

**مسز** "عارف کو کمیشن ازمیر کا ملا ہے۔ دو سو طالب علموں کو کمیشن ملگیا ہے کوئی کہیں جاتا ہے کوئی کہیں۔ لیکن عارف ازمیر جاتے ہیں۔ ہماری امیدوں کا خاتمہ......"

**مسٹر** "بس اسقدر اور تو کچھ نہیں اس کا اہتمام سہل ہے۔ **لبیک پاشا اور محمود پاشا** میرے خاص دوست ہیں"

مسنز "خاص دوست ہیں لیکن انتظام ہو چکنے کے بعد کیا کرسکتے ہیں"
مسٹر "حکم واپس نہیں لے سکتے اور دوسرا حکم دیں۔ آخر دینے والے تو یہی ہوئے"

مسنز "واپس لیں..... کُل جاتے ہیں۔ واپس لینا چہ معنی دارد"

جب یہ سُنا تو ہاورڈ نے بھی اپنا سر پیٹ لیا اور کہا کہ اسقدر تعیش میں غرق رہے کہ ایک ذراسی کام کی خبر نہ لی۔ اب کیا ہوسکتا ہے۔ کُل جاتے ہیں۔ کُل روانگی کے بعد اطلاع پہنچی بھی تو خیر۔ نُوشتے بعد از جنگ کا معاملہ ہے۔ اپنی طرف سے کوشش کرنی چاہئیے۔ کیا مضائقہ ہے واپس آسکتے ہیں۔ محمود پاشا کے پاس علی الصباح جاتا ہوں اور اُن کو ہمراہ لیکر لینیک پاشا کے پاس۔ اگر وہ ہمارے کام اس وقت نہ آسئے تو پھر ہمارے دوست کیسے۔

مسنز "یہ سب کچھ سہی لیکن اپنی تو غفلت ثابت کرچکے۔ مثل مشہور ہے کہ سیانا کوا ہی..... جاوٗ جی تم سے اتنا بھی کام نہ ہوسکا۔ اُس کی قسمت زبردست ہے۔ اب مناسب ہے کہ اس کام کو چھوڑ دو تم سے نہیں ہوسکنے کا"

مسٹر "مجھ سے۔ اور نہیں ہوگا۔ اور یہ کام ہی کونسا بڑا ہے۔ لونڈوں کا کھلانا۔ اگر یہ بھی نہ ہوسکا تو ہم کسی مصرف کی دوا ہی نہ رہے"

مسنز "مجھ کو تو محض اُس کا بتانا ہی منظور تھا۔ اچھا خیر تو تم جانو۔ اب مجھکو واسطہ نہیں میں کہاں تک ڈوہ لگائے رہونگی۔ اب تم جانو تمہارا کام۔ وہ لونڈا نہیں ستم ہے۔ تم نے اس کی آنکھیں بھی دیکھی ہیں۔ کیسی خون آلود اور خواب آلود۔ اور چہرے سے ایک ہیبت برستی ہے۔ دیکھ بھال کر کام کرنا۔ مجھے تو اُمید نہیں کہ تم اُس سے عہدہ برآ ہوسکو"

مسٹر "اچھا خیر نہ سہی۔ دیکھ ہی لینا نا۔ ہمارے اڑنگے پر بھی چڑھا ہوا دیکھنا"

مسنز "اچھا تو بات ہی کیا ہے۔ دو اور دو کیئے چار ہی نا"

یہ رات دونوں کو نہایت ہی اضطراب کی حالت میں گذری۔ رات گفتگو میں یاد جا چکی تھی ورنہ کسی قہوہ خانہ کے قرارت خانہ سے اس امر کی تصدیق کیجاتی۔ مگر نہیں یہ امر مسلمہ مان لیا گیا کہ حقیقت میں عارف کو ازسیر کی کمیشن ملی ہے اور اس بات کا ل بھی

نہیں آیا کہ ممکن ہے کہ یہ خیال غلط ہو۔ بازاری افواہ منٹ منٹ کے بعد اُڑا کرتی ہے۔ کوئی اتفاقیہ سچ ہوتی ہو تو ہو۔ لیکن عموماً سب کی سب غلط ہوتی ہیں۔ ہاورڈ نے بار بار اپنے دل میں اس خیال کو امتحاناً پیش کیا کہ لبیک پاشا افسوس ہے اُن کو ہمارا ذرا بھی خیال نہ آیا۔ اور کیفیت یہ کہ اُن کو سمجھا دیا تھا اچھی طرح سے کہ اس معاملہ میں پہلو تہی نہ ہو لیکن پھر بھی اُنہوں نے خیال نہ رکھا۔ ممکن ہے کہ حکم سلطانی ہو۔ اور اُس میں اُن کی صلاح کو گنجایش نہ ہو۔ لیکن نہیں فرد تو اُنہیں کی پیش کی ہوئی ہوگی دست و پا ملاکت کے یہ ہوتے۔ شاید عیسائی ہونے کی وجہ سے اُنہوں نے ہماری بات کا خیال نہ کیا ہو۔ اگر معاملہ یہی ہے تو یہ سمجھنا چاہیئے کہ ان میں حمیت آگئی ہے۔ مسلمان اب ذلیل مسلمان نہیں رہے۔ لیکن نہیں یہ کیونکر ممکن ہے۔ ابھی کل کی بات ہے سادی میر الائی شکایت قہوہ خانہ میں کر رہے تھے۔ ایسی جلدی درست ہو جانا کیونکر ممکن ہے۔ مانا کہ نئی روشنی والے اپنی کمی کو سمجھنے لگے ہوں لیکن عامی تو ابھی تک سوتے پڑے ہیں کیونکہ ممکن ہے کہ اس قدر جلد سنبھل جائیں۔ ضرور کوئی نہ کوئی بھید ہے۔ اس کے بعد ہارسے مسٹر بڑی دیر تک غور و فکر میں رہے۔ آخر یہی صلاح قرار پائی کہ صبح ہوتے ہی محمود پاشا کے پاس چلیئے اور اُن سے کمیشن کی فہرست لیکر دیکھیئے۔ بیوی صاحبہ بھی اسی غوطہ میں پڑی ہیں مختلف قسم کے سوالات پیش نظر ہوئے۔ اگر عارف از یہ جائے اور ہم بھی تھوڑے دنوں بعد وہاں پہنچیں اور اُس سے بڑے تپاک سے ملکر کسی کے ذریعہ سے کچھ کھلا دیں لیکن معاً یہ خیال پیدا ہوا کہ وہ ایسی بھونڈی عقل کا کیوں ہونیلگا۔ خیر کل کا حال آور دیکھ لیا جائے۔ ممکن ہے کہ یہ خبر بالکل غلط ہو۔ اگر نہیں تو کسی حسین عورت سے مدد لینی چاہیئے۔ دور کیوں جاتے ہو میری بہن مس الفا کیا ہمکو مشکور کرنا نہیں چاہیگی اور اُس کے حُسن کی تو تمام یورپ میں شہرت ہے۔ اور پھر لیاقت گانا بجانا ناچنا دونوں میں طاق۔ اور تالیف قلوب کا تو وہ مادہ کہ فرشتہ کو بھی کہو تو ایک دفعہ دم میں لے آویں مگر اتنا ضرور ہے کہ وہ حد سے زیادہ راستی پسند ہیں۔ کیا ہماری بہن ہو کر ہمارا اتنا بھی کام نہیں کرینگی۔ غرض یہ کہ دونوں یہی باتیں سوچتے سوچتے سو گئے۔ سوتے میں دونوں نے خواب میں دیکھا کہ ایک ستارہ اُن دونوں کے

بیچ سے نکلکر تمام شمال اور شمال مشرق پر چھا گیا ہے۔ اُس میں روشنی اِس قدر ہے کہ اُس کے آگے آفتاب گرد ہے۔ رفتہ رفتہ یہ روشنی دھیمی ہوتی گئی اور آخرکار بالکل غایب ہوگئی۔ غائب ہونے کے بعد دونوں کی آنکھیں کھُل گئیں دیکھا کہ صبح ہوگئی ہے۔ لیکن خواب سے مرعوب دونوں ایک جگہ آگئے اور اپنا اپنا خواب بیان کیا اور دونوں ہی اِس بات پر متفق ہوئے کہ اس کی تعبیر اچھی ہے۔ ہم اپنے خاص کام میں ضرور کامیاب ہونگے اور خوش خوش مسٹر ہاورڈ وہاں سے اُٹھے تو سیدھے محمود پاشا کے مکان پر پُہنچے۔ دستک دی۔ آدمی باہر آیا اور کہا کہ صاحب ذرا توقف کریں مَیں ابھی اطلاع دیتا ہوں۔ باہر آئے بیٹھے ہیں۔ آدمی اندر گیا اور خبر لایا کہ چلے آئیے۔ پاشا صاحب ایک نہایت سجے ہوئے کمرہ میں بیٹھے تھے آرائش کچھ مشرقی طرز پر تھی اور کچھ مغربی۔ رومی قالین بڑے بڑے روئیں والی ایک تمام کمرہ میں بچھی ہوئی تھی۔ ایک طرف میز پر گلدستہ اور منقش چمکدار شیشے کے کھلونے تھے۔ دوسری طرف بھی ایسا ہی — بیچ میں مسند بچھی ہوئی تھی اور پیچھے گاؤتکیہ رکھا ہوا تھا۔ سامنے بخاری پر کچھ گلدستے نہایت تکلف سے دھرے تھے چھت پر کچھ سُنہرا اور کچھ رپہلا کام تھا۔ مسٹر ہمارے جو آئے تو اُن کی طرف بھی اشارہ ہوا بیٹھ جائیے۔ ہرچند کہ صاحب لوگ کو زمین پر بیٹھنا ناگوار ہوتا ہے لیکن انگریزوں میں ایک عجیب خوبی یہ ہے کہ ہر جگہ کے موافق اپنے آپ کو بنا لیتے ہیں اور طرفہ یہ کہ وضع نہیں چھوڑتے۔ مسٹر وُہیں اُن کے پاس آبیٹھے۔ اِدھر اُدھر کی باتیں بے تکلف ہونے لگیں۔ اِدھر قہوہ آیا۔ دونوں نے تین تین چار چار پیالیاں پیں پھر مدرسۂ حربی کا اِس اثنا میں ذکر آگیا اور ہمارے مسٹر کو خبر کے غلط ہونے پر ازحد مسرت ہوئی۔ گھر سے بڑے بڑے ارادے کرکے آئے تھے۔ لیکن مطلب جب اپنے موافق پایا تو حرفِ اعتراض زبان پر نہ لائے۔ وہاں سے اُٹھے۔ گھر آئے اور باتوں باتوں میں اپنی بیوی سے ازراہ شیخت کہا +

**ہاورڈ** "ہماری تدبیر بھی کبھی چوکتی ہے۔ لو اب گئے نا"

**مسز** "خوب ہراساں ہو گئے تھے کچھ کرتے دھرتے نہیں بنتا تھا۔ اگر میں نہ کہتی تو آپ کو خبر بھی نہیں تھی کہ کوئی انتظام ہوا بھی ہے۔ ایسے مردوں میں مستیت

تھے "

مسٹر "واہ خوب خبر پہنچائی۔ خبر کی یہ صورت اور تعریف۔ داد کے قابل ہے۔ یہ کہکر ایک قہقہہ لگایا کہ سارا مکان گونج اٹھا ؛

مسز "جی جھوٹی ہی سہی۔ میں قائل ہوں لیکن آپ کا تو الزام میرے اوپر نہیں کہ اپنے تن بدن کی خبر نہیں "

مسٹر "خوب "چیل بھولا لیگئی کا ہے سے بھٹکوں راب"۔ اور اس کے اوپر ایک اور فرمائشی قہقہہ۔ مسز ہاورڈ کچھ رواسی ہی ہوگئی۔ مسٹر نے کہا ان سے بگاڑنا بھی مصلحت نہیں (سنجیدہ چہرہ بناکر) "لو ہم تو ہنستے تھے تم اتنی ہی بات پر بُرا مانے جاتی ہو۔ یہ تمہاری کامیابی کی خوشی ہے "

مسز "لو اور زیادہ نہ بناؤ۔ کرتو کر نہیں تو خدا کے غضب سے ڈر۔ میں نے میاں کو راستہ بتلایا۔ اور وہ پڑ گئے میرے گلے۔ بس رہنے دیجئے "

مسٹر "نہیں خدا کی قسم۔ میں تو خوشی کی وجہ سے ہنستا تھا۔ ورنہ تمہیں چھیڑنا منظور ہے ؟ لو آؤ آج تو خونکر صلوئی[1] کی سیر کریں "؛

---

[1] نوٹ۔ یہ ایک شاہی چشمہ ہے اور قابل دید سیر کا مقام ہے - ۱۲

# وادین

یہ مقام عجیب دلکش ہے۔ دریائے ڈنیوب کے کنارہ پر واقع ہے۔ غلہ۔ انگور شیب۔ ناشپاتی۔ چرمی اسباب۔ پارچہ اونی کی تجارت کثرت سے ہوتی ہے۔ جہازوں کے جہاز لدکر جاتے ہیں اور یورپ کے تمام بازاروں میں فروخت ہوتے ہیں۔ اردگرد باغ کثرت سے ہیں۔ سڑکیں مصفا اور چوڑی ہیں۔ قلعہ پرانا نہایت مستحکم ہے۔ پانسو جوان کمربستہ ہمیشہ تیار رہتے ہیں۔ اور ان کی آن میں پانسو کے پانچ ہزار بن سکتے ہیں۔ اسلحہ خانہ علیحدہ ہے۔ توپیں مورچوں پر چڑھی ہیں۔ یہ سلطنت عثمانیہ کی شمال مغربی حد ہے۔ یہاں سے رومینیا کا علاقہ شروع ہوتا ہے۔ پہلے چاہے یہ شہر کیسا ہی کیوں نہ رہا ہو مگر **رفیق پاشا** نے اس وقت تو اس کو وہ رونق دے رکھی ہے کہ یورپ کے اور کسی شہر سے کسی طرح سے کم نہیں۔ ایک بڑا لطف یہ کہ شہر میں داخل ہونے کا صرف ایک ہی راستہ ہے اور چاروں طرف بیگذر دلدل۔ لیکن چونکہ بلندی پر واقع ہے اس لیئے آب وہوا خوشگوار اور صحت بخش ہے۔ ادھر سے خوف تھا کہ شاید روس داخل ہو۔ کیونکہ صوبہ رومینیا اور روس کے اتحاد کے چرچے عرصے سے ہو رہے تھے۔ **عثمان پاشا** کو اس لیئے اس کالم کی سپہ سالاری عطا ہوئی تھی اور ہمارے عارف بھی اسی کالم کی پلٹن نمبر ۹ میں لفٹنٹ تھے جس کو ترکی زبان میں میرالائی کے نام سے تعبیر کرتے ہیں +

ابتو اُمید ہے کہ سڑکیں بن گئی ہوں گی۔ اُس زمانہ میں کچی سڑکوں سے توپخانہ کے ساتھ مع اسباب رسد رسانی اور باربرداری جو یہ کالم قسطنطنیہ سے روانہ ہوا تو اسکو بہت سی سختیاں جھیلنی پڑیں۔ مگر وہ ساری سختیاں ہلوگوں کے نزدیک سختیاں تھیں ترکی سپاہی کیا ادنے کیا اعلے رعایا بھی اُس سے مستثنے نہیں ایک عجیب جوش کے عالم میں بھرے تھے۔ ہر منزل پر ترکوں کی دعوتیں کھلاتے ہوئے خوش خوش

اپنی اُمنگ میں وادین پُہنچے۔ یہاں خیال تھا کہ کوئی تو دل لگی ہوگی۔ وہاں دیکھا کہ کچھ بھی نہیں۔ ڈنیوب کے اِس طرف تو وادین واقع ہے اور دوسری طرف کالیفات۔ کالیفات رومینیا کے قبضے میں ہے۔ بیچ میں دریا نے ایک تھوڑی سی زمین چھوڑ دی ہے۔ لمبائی میں کوئی ایک میل ہوگی اور چوڑائی میں رُبع میل۔ ناظرینوں کا خیال ہوگا کہ کالیفات ایسی موقع کی جگہ اس کو عثمان پاشا نے کیوں نہیں اپنے قبضے میں کر لیا۔ اور حقیقت یہ کہ وہ ضرور اپنے تصرف میں اس شہر کو لے آتے مگر معلوم ایسا ہوتا ہے کہ درباری پاشاؤں کی غفلت کی وجہ سے اس کا انسداد نہوا اور جب موقع ہاتھ سے جا چکا تھا تو کیا ہو سکتا تھا ؂

ظاہرا ایسا ہی امن وامان معلوم ہوتا تھا جیسے کہ عموماً ہوا کرتا ہے۔ سپاہی شہر کی سیر کو جایا کرتے۔ خرید و فروخت کرتے۔ نہ کسی قسم کی مزاحمت نہ مخالفت۔ ہمارے عارف بھی سگریٹ کی تلاش میں دوکان ڈھونڈھتے ڈھونڈھتے ایک بلگیری سوداگر کی دوکان پر پہنچے۔ ان کے ہمراہ ان کے اور دو دوست ابراہیم اور خلیل بھی تھے۔ دوکان پر پہنچکر سگریٹ خریدے اور واپس آنے ہی والے تھے کہ ایک نہایت ہی خوبصورت حسین لڑکی انگریزی لباس پہنے اُن کے پاس سے گزری۔ اور گزرتے وقت اتفاقیہ عارف کی طرف نگاہ جا پڑی ؂

**مس الفا**۔ "اوہو عارف تم یہاں کہاں ؟"

**عارف**۔ "اہا۔ مس الفا ہیں۔ مَیں نے کہا یہاں کوئی شناسا کیوں ملنے لگا"

مس الفا عارف کو دیکھکر خوش ہوئی کہ ہاں شکار ملا ہے اور عارف ٹھٹکا کہ ضرور کچھ دال میں کالا ہے۔ الفا کو اس بات کا خیال تھا کہ مسز ہاورڈ سے سُرخرو ہوں گی عارف کو یہ خیال پیدا ہو گیا کہ کوئی اَور گل کھلنے والا ہے ؂

**مس الفا**۔ (بعد تامل کے) "ہاں میرا ارادہ تھا کہ بلگیریا کی سیر کرتی ہوئی واپس جاؤں۔ اب یہاں راستہ بند ہے"

**عارف**۔ "راستہ بند۔ کیوں۔ لڑائی ٹرکی اور روس میں ہے۔ مسافروں کا کیا نقصان"۔

**مس**۔ "اوہو۔ تم نہیں جانتے۔ نقصان تو نہیں۔ انہیں دنوں میں لٹیرے صبح خیزی زیادہ پیدا ہو جاتے ہیں۔ (ذرا ٹھہر کر) اب تم کو یہاں دیکھ لیا ہے کچھ اَور قیام

کراوں گی"۔

"یہاں ٹھہرنے سے غرض یہ تھی کہ آلغا کے مُنہ سے کوئی ایسا لفظ نہ نکل جائے جس سے عارف تاڑ جائے۔ اور اُس کا مطلب جاتا رہے۔ اور مطلب کیا عارف کی تخریب" +

**عارف** "اچھا تو اب رخصت۔ راستہ کا موقع ہے۔ آپکی خدمت میں کل وال حاضر ہونگا یہاں ٹھہرنا اچھا نہیں معلوم ہوتا"۔

اِدھر تو عارف یہ کہہ رہا تھا۔ اُدھر ابراہیم اور خلیل دونوں کُہنیاں مار رہے تھے۔

**مس** "بہتر ہے۔ لیکن ملئیے گا ضرور۔ ایسا نہو۔ کہ نہ ملیں۔ اگر نہ آئے تو میں خود آؤنگی"۔ یہ کہکر علیک سلیک کے بعد دونوں رُخصت ہوئے۔ راستہ میں خلیل اور ابراہیم کی بن آئی:۔

**خلیل** "میاں بھانپ لیا ہے۔ اچھا ٹٹی کے آڑ میں شکار۔ ع
دوستاں را کجا کُنی محروم"۔

**ابراہیم** "ارے میاں۔ تم انہیں کیا جانو۔ وہ وہ خُبط کے عمل یاد ہیں کہ باید و شاید۔ دیکھو نا ایسا پڑھکر پھونک دیا۔ کہ پیچھے پیچھے دم بھرتی چلی آئی"۔

**عارف** "ارے میاں جانے بھی دو۔ کہاں کا چرخہ لے بیٹھے۔ نہ ال للذی نہ ول اللذی۔ طرحدار ہو اپنی ہوا کرے۔ جس کے لیئے ہو اُس کے لیئے ہو۔ اپنے کام سے کام"۔

خلیل اور ابراہیم دونوں ایک زبان ہوکر بولے "کیوں صاحب کام ہمارے ہی لیئے رہ گیا ہے۔ سچ کہو۔ یہ پھانسا کیونکر اور کہاں۔ مکان پر چلنا تو ہمیں بھی ساتھ لے چلنا۔ کچھ نہیں تو بلا سے۔ آنکھیں ہی سینک لینگے"۔

**عارف** "ہوش میں آؤ ہوش میں۔ مجھے تو محض ٹالنا منظور تھا"۔

**ابراہیم** "ہیں۔ کیا"؟

**خلیل** "ایسا کہنا بھی مت"۔

**ابراہیم** "جاؤ گے تو ضرور"۔

**خلیل** "اور یار لوگ بھی چلینگے"۔

عارف نے دیکھا یہ کیسی مصیبت گلے پڑی ہے۔ کیا کیجئے۔
**عارف** "(نہایت سنجیدگی سے جواب دیا) مجھ کو تو اس سے کوئی واسطہ نہیں چاہے قسم لیلو"
**ابراہیم** "واسطہ نسہی"
**خلیل** "ہمارا ہی واسطہ کرادو"
**عارف** "میاں لڑائی پر آئے ہو۔ یہاں عاشقی معشوقی کرنے لگے۔ یہ کونسی مردانگی ہے"
**ابراہیم** "یار چہ۔ بیتے تو دینا کسی اور کو"
**خلیل** "ہم بھی دم میں نہیں آتے۔ بھلا دوست ایسے ہی ہوتے ہیں"
غرض یہ کہ عارف کو چھیڑتے چھاڑتے کیمپ تک آن پہنچے۔ عارف نے کہا۔ مردے آدمی ابتو چپ ہو جاؤ۔ ابراہیم نے کہا ہم نہیں مانیں گے۔ جب تک جواب نہ لے لیں گے۔
**عارف** "کیا جواب"
**خلیل** "کیا ہماری ملاقات کروائیں گے"
**عارف** "ملاقات تو کرادیں سینکڑوں میں"
**ابراہیم** "ہیں۔ سینکڑوں میں"
**خلیل** "ہم تو میاں کی دوست سمجھکر منتیں کرتے ہیں"
**ابراہیم** "ان سے اتنا بھی کام نہیں ہوتا"
**عارف** "کام کیا نہیں ہوتا۔ کہتے تو ہیں ملاقات کرادیں گے"
**خلیل** "کب" ؟
**ابراہیم** "کس کی" ؟
**عارف** "آپکی"
**ابراہیم** "اور ہم یوں ہی رہینگے"
**عارف** "بھئی تم دونوں کی کسی طرح سے پیچھا کبھی چھوڑو گے۔ کل پھر چلینگے لیکن ٹھہری کہاں ہے اسکا بھی تو پتہ لینا ہے"

**ابراہیم** "یہ ہمارا کام ہے"

**خلیل** "پتہ پہلے آپکو لگا دینگے جناب پھر سہی"

مس آلفا کا حُسن و جمال اِن دونوں کے اوپر چھا گیا تھا۔ اور عارف ایک سے اپنا دل لگا ہی بیٹھے تھے۔ اُن کے سامنے آلفا کیا مال تھی۔ عارف کو یہ بھی ڈر تھا کہ کوئی سازش نہو۔ اس لیئے اس ذکر ہی سے بھاگتا تھا۔ اور چاہتا تھا کہ پھر ملنے کا اتفاق نہ ہو۔ اس لیئے پتہ تک نہ پوچھا۔ ورنہ اگر جھوٹوں بھی عارف کچھ کہتے تو وہ فوراً ہی رضامند ہوجاتی۔ ابراہیم اور خلیل کو تعشق نہیں تھا۔ دل بہلاوا چاہتے تھے۔ ممکن ہے کہ یہ مذاق بڑھتے بڑھتے تعشق کے درجہ کو پہنچا دے۔ دونوں عارف سے رخصت ہوکر اپنے خیمہ میں گئے اور لطف یہ تھا کہ دونوں ایک ہی خیمہ میں رہتے تھے۔ بڑی دیر تک الفا ہی کی باتیں ہوتی رہیں۔ ہائے جوانی بھی عجب شئے ہے۔ نہ مرنے کا ڈر نہ خندق میں گرنے کا۔ موجودہ خوشی پر قربان۔ خواہ کسی طرح سے میسر آئے لیکن میسر آئے ضرور سب سے آخری امر جو قرار پایا تو یہ تھا کہ صبح ہی چلو۔ پتہ لگالیویں اور پھر عارف کو بھی ہمراہ لے چلیں۔ اسی میں سو گئے۔ خواب میں آلفا کا پتہ ہی لگاتے پھرے۔

# مس لفا کی تلاش

کچھ جوانی کی اُمنگ۔ کچھ رات بھر کا جما ہوا خیال۔ علی الصباح مرغ سحری کے ساتھ اُٹھے۔ سہانی سہانی ہوا چل رہی تھی۔ مشرق کی طرف سفیدی آ چلی تھی۔ پرندے گھونسلوں سے جُدا ہو کر حمد الٰہی میں مشغول تھے۔ دور پہاڑوں کی چوٹیاں نظر آنے لگی تھیں۔ سبزہ کی بہار بھی کھل چلی تھی کہ اتنے میں مؤذن نے "اللہ اکبر" کہا۔

**خلیل** "چلو اذان ہوتی ہے وضو کر کے نماز پڑھ لیں"

**ابراہیم** "چلو۔ پھر الفا"

**خلیل** "ارے رات بھر میں بھولے نہیں کیا صبح صبح کس چڑیل کا نام لے لیا"

**ابراہیم** "جی ہاں اب چڑیل ہے رات بھر تو لٹو رہے"

دونوں نے صبح کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کی اور پھر سیدھے مُنہ اُٹھا کر ہو لئے شہر کی طرف۔ چوک سے گزر کر ایک صرّاف کی دُکان پر ٹھٹکے کہ یہاں دریافت کرینگے بالاخانہ پر اُس کے حضرت الفا تشریف رکھتی تھیں۔ اتفاق ایسا ہوا کہ اُسی وقت دروازہ اوپر کا کھول کر منہ نکالا تھا۔ اِن کو جو دیکھا تو کچھ سہمی اور کچھ خوش ہوئی۔ اپنے دل میں کہنے لگی۔ اے بار خدایا۔ انہیں کیونکر بلاؤں۔ اِن کے نام سے واقف ہوں نہیں۔ عارف اِن کے ساتھ ضرور ہوگا۔ لیکن اِن میں تو دکھلائی دیتا نہیں۔ اچھا تو اُسی کا نام لیکر بُلاؤں۔ اُدھر اُن کو یہ انتظار تھا ہی کہ کس سے پوچھیں اور کیا کہکر پوچھیں کہ اتنے میں آواز آئی "عارف" خلیل کے کان کھڑے ہوئے۔ اِدھر اُدھر دیکھا کوئی نہیں۔ پھر ذرا اَور زور سے "عارف" اوپر جو نگاہ کرتے ہیں۔ دیکھا کہ ذات شریف ہی ہیں دُور جانے کی کیا ضرورت۔

**مس** "اِدھر سے تشریف لے آیئے" (دونوں کی طرف دیکھکر زینہ کی طرف اشارہ کیا)۔

**ابراہیم** "اہا مِس الفا۔ صبح الخیر۔ ہمنے آپکو ناحق تکلیف دی"

خلیل نے اپنے دوست ابراہیم سے کہا۔ہُوں۔تکلیف دی۔رات بھر نہ سے
ہی۔ لیئے غلطاں پیچاں رہے۔ ابراہیم اشارہ کرتا جاتا تھا کہ ظالم چُپ رہ۔کام نہ بگڑ جائے۔
غرض دونوں زینہ کے راستہ اوپر پہنچے اور مس الفا کے سامنے بیٹھ گئے مس الفا
کا بھائی **مسٹر کالی گرو** ان کے ہمراہ تھا۔لیکن انگریزوں میں یہ بڑی اچھی بات ہوتی
ہے کہ جس سوسائٹی میں اپنے آپ کو ناز یبا سمجھتے ہیں وہاں سے ٹلجاتے ہیں۔چنانچہ
ان وزیٹروں کے آنے سے پہلے وہ دوسرے کمرے میں ہو بیٹھا اور وہاں سے
غسل کے واسطے چلا گیا۔

**خلیل** "مس جھنے آپکو صبح صبح بڑی تکلیف دی۔معاف فرمائیے گا۔"

**مس** "تکلیف کی کونسی بات ہے۔آپ معلوم نہیں کس کام کو جاتے ہوں گے
بُلایا تو میں نے۔معافی مجھے مانگنی چاہیئے۔اور آدمی کے پاس آدمی آتے ہی ہیں۔"

یہ اس لہجہ میں اور ایسی رسیلی آواز سے کہا کہ دونوں پھڑک اُٹھے اور اشا سے
ہو گئے کہ بہت مروّت والی۔

**ابراہیم** "تو ہم مُخل تو نہیں ہوئے۔"

**الفا**۔(اسپر الفا نے ایک قہقہہ لگایا) "مُخل۔کیونکر۔میں نے آپ کو خود بلایا۔آپ کا فراج
اچھا ہے۔عارف نہیں آئے۔"

**خلیل** "عارف کی ڈیوٹی تھی۔اور ہمیں کچھ سگار خریدنے تھے۔"

**مس** "آپ سگار کے بہت شائق ہیں۔ہاوانا کے سگار میرے پاس موجود ہیں
میں آپ کو دُوں گی۔"

**ابراہیم** "نہیں آپ کی مہربانی۔"

الفا اُٹھی اور الماری سے تانہ بکس نکال کر اُن سے کہا لیجئے یہ میری طرف سے
آپ کے نذر۔اور ایک طشتری میں سگارٹ دیئے کہ یہ آپ پئیں۔چا ر تیار ہوتی ہے۔

**خلیل** "آپکی مہربانی ہے۔ہمارے لیئے یہ سگارٹ ہی کفایت کرینگے۔" ایک ایک
دونوں نے اُٹھا لیا۔)

**مس** "نہیں کیا مضائقہ ہے۔کیا ہمارا ہدیہ قبول نہیں۔"

**ابراہیم** "قبول تو سر آنکھوں سے۔مگر ضرورت کیا۔"

مس "۔ ضرورت تو ہے نا۔ تب ہی تو عرض کی جاتی ہے"
استنے میں چا ر آئی اور اُس کے ساتھ کچھ بسکٹ۔ یہاں رندمئے اشام نقشے ہیچ
ایسی چا کیمپ میں کب دستیاب ہوتی ہے۔ اللہ نے خانہ داری میں اور وہاں بھی عورتوں
ہی پر یہ ختم کیا ہے۔ ایک چیز کا باسلیقہ ہونا لذیذ بنانا کچھ عورتیں ہی کرسکتی ہیں۔ دونوں نے
چار چار پیالیاں پیں۔
ابراہیم "۔ لیجئے آپ کے حکم کی تعمیل ہو چکی۔ اب رخصت"
خلیل "۔ جی اب تخفیف تصدیعہ"
مس "۔ کیا آئے کیا چلے۔ ہم تو دو باتیں بھی نہیں کرنے پائے"
ابراہیم "۔ آپ کی مہربانیاں۔ آپ کے الطاف۔ ہم سپاہی اس گراں باری سے
کب سبکدوش ہو سکتے ہیں"
مس "۔ خلوص محبت کا اقتضا ہے۔ آپ ہمارے دوست کے دوست ہیں۔ ہمسے
آپ کی مدارات کیا ہوئی"
خلیل "۔ ہم تو آپ کے ہاتھوں بک چکے"
مس "۔ اخّا۔ ایسی باتوں کا ذکر نہیں۔ ہم نے پہلے ہی عرض کر دیا۔ محبت کا
اقتضا ہے"
ابراہیم "۔ بیشک آپ بڑی بامروت ہیں۔ عارف سے ہم آپکی بڑی تعریف کرینگے"
خلیل "۔ اور بامحبت بھی ایسی۔ ہم جیسے اجنبیوں کے ساتھ ایسا نیک برتاؤ کیا"
مس "۔ آپ دونوں تُرک ہیں ؟"
ابراہیم "۔ ہم دونوں عرب ہیں"
مس "۔ اور عارف ؟"
خلیل "۔ عارف تُرک ہیں"
مس "۔ ترکیوں کا عربوں کے ساتھ کیسا سلوک ہے ؟"
خلیل "۔ برادرانہ۔ کچھ تمیز نہیں ہوتی"
ابراہیم ہر چند پوچھنا چاہتا تھا کہ عارف سے آپ کا کیا تعلق ہے۔ کہاں کی ملاقات
ہے۔ لیکن الفاظ زبان پر آ آ کر رہ گئے۔ اتنی جرأت نہ ہوتی کہ پوچھے۔ یہی کیفیت خلیل کی

تھی۔اس کے ساتھ عجیب عجیب قسم کے خیالات دل میں پیدا ہوتے تھے۔الفا کو دیکھکر تعجب کرتے تھے کہ کس شان کی عورت ہے۔اللہ نے ایسے بھی لوگ بنائے ہیں۔اور پھر ساتھ ہی اُس کے ایسی بامروت حسین اور پھر اُس میں انکسار محبت۔اس بلانے کس کو خبر تھی۔کہ ان کی کیا غرض لاحق ہے۔

ابراہیم۔"لیجئے اب اجازت دیجئے۔آپ کا ضرور حرج ہوتا ہوگا"

مس۔"میں کس طرح سے کہوں۔حرج تو کوئی نہیں۔اچھا خدا حافظ یاد رکھئیگا"

خلیل۔"آپکی مہربانی بھولی جا سکتی ہے۔آپنے ہمارے دلوں میں گھر کر لیئے ہیں۔آپ بھی ہمیں یاد رکھئیگا۔ہم تو آپ کو بھول نہیں سکتے۔اگر لڑائی میں کام آئے تو آپ کی یاد ہمارے ساتھ جائیگی"

مس۔"ہم آپ کو ہمیشہ یاد رکھینگے۔عارف کو ہمارا سلام کہدیجئیگا اور یہ بھی کہدیجئیگا کہ الفا آپ کو بہت یاد کرتی رہتی ہے"

ابراہیم اور خلیل نے اپنے دلوں میں کہا کہ یہ جگر خراش الفاظ کاش تونے ہمارے واسطے کہے ہوتے۔پھر ایک دفعہ اگر قربان کہتی تو سو دفعہ قربان ہوتے۔لیکن ہماری ملاقات بھی تو ایک ان کی ہے۔ممکن ہے کہ آیندہ یہ بات نصیب ہو۔دونوں رخصت ہوئے۔رخصت کے وقت الفا نے ان دونوں کے ہاتھوں کو بوسہ دیکر کہا۔دیکھو سپاہی اپنے قول و قرار کے پورے ہوتے ہیں ہمیں یاد رکھنا۔اس آواز نے جوان کے دلوں پر جادو کیا اُسکو وہی خوب جانتے ہیں جن کو پہلی ہی مرتبہ کچی جوانی کے عالم میں کسی کمسن حسین عورت کے سامنے محبت کے لہجہ میں محبت کی آنکھوں سے گفتگو کرنے کا موقع حاصل ہوا ہو۔ستم کیا۔تمام بدن تھرا اُٹھا۔جواب میں صرف آنکھوں سے آنسو نکلے جو الفا نے اپنے ہاتھوں سے پونچھے۔اور رخصت ہوکر حجرٹ کا بکس لیکر بادلِ ہرد کیمپ میں آئے۔خلیل نے کہا میاں عورت کیا جادو ہے۔اب تو بہ ہے پھر گئے تو۔ابراہیم بولا۔یار ایکدفعہ اور دیکھنے کی ہوس ہے خلیل نے کہا۔اب کے گئے تو اُسی کے ہو رہوگے۔دور کرو اسکو یہ جھگڑے ہیں۔عارف کے پاس آکر حجرٹ کا بکس دکھا کر کہا۔لیجئے بلا توسل یہ بکس ہدیہ ہے۔آپکے لارام سے مل آئے عارف بولا۔کون اور کس کا دلارام۔

خلیل۔"الفا سے مل آئے ہیں یہ بکس آپکو دیا ہے اور سلام کہا ہے اور کہا ہے اشتیاق ہی ہیگا ملو گے نہیں"

عارف۔"تم بھی نہیں ماننے کے۔تمہیں اچھا کھلونا ہاتھ لگ گیا ہے"

# وادین سے رُخصت

اِدھر سپاہی رنگ رلیاں منا رہے تھے۔ اُدھر مشیر **عثمان** راتیں صلاح مشورہ میں گذار رہے تھے۔ برابر تار میں **سلطان** اور اُن کے مشیر **عبد الکریم پاشا**۔ **داماد پاشا** وغیرہ کو ہر قسم کی تدابیر سے ہلا رہے تھے۔ وہاں یہ عالم تھا کہ سب غافل پڑے تھے۔ اور دس باتوں کا جواب ایک ملتا تھا۔ اور وہ بھی نامکمل۔ مشیر دق آ گئے تھے پیغامبر دن رات اِدھر سے اُدھر اور اُدھر سے اِدھر پھرتے۔ معلوم نہیں ہوتا تھا کہ اندرونی شغل کیا ہے۔ لیکن مصروفیت انتہا درجہ کی ظاہر ہوتی تھی۔ مشیر نے سلطان کی خدمت میں پہلے عرض کیا تھا کہ **رومانیا** پر حملہ کر کے قابض ہو جانا چاہیئے۔ اور فرض کیا کہ ناکامیاب بھی رہے تو وادین جیسی مستحکم جگہ سے کوئی ہلا نہیں سکتا۔ جنگ اِسطرف رجوع ہو جائیگا۔ بہت بڑی دردسری بچینگے۔ ہزاروں اللہ کے بندے بچ رہینگے ہفتوں مشیر اُس کے جواب کے مُنتظر رہے۔ مگر کوئی خبر نہیں آتی۔ اسی طرح عثمان پاشا برابر مشغول تھے۔ کہ ایکدن کالیفات کی طرف سے دھم کی آواز آئی۔ مئی ۱۸۷۷ء کا اختتام تھا۔ اِدھر قلعہ سے اُس کا جواب دیدیا گیا۔ مگر سپاہیوں میں ایک اِلچل سی مچ گئی دل کا جوش اُبھر آیا۔ روانی کے لیئے کوئی پہلو ہونا چاہیئے۔ کوئی دس منٹ کے بعد ایک اور آواز آئی۔ اِدھر سے بھی جواب دیدیا گیا۔ **عادل پاشا** نے سارے سپاہیوں کو ترتیب وار فائل میں کر کے خطبہ شروع کیا: " اے اسلامی بہادرو! اے اسلام کے نام کو ناموس سے بچانے والو! اگر خود سرائی نہوتی تو مَیں کہتا کہ دنیا کے پردہ پر تمہارے جیسا کوئی بہادر نہیں۔ اے اسلام کے پُشت و پناہ! لڑنے میں تمہارا کوئی ثانی نہیں۔ وہ کون تھے جنہوں نے جہاں اپنا پرچم اور عَلم بلند کیا وہاں فتح نصیب ہوئی؟ وہ تمہارے ہی بزرگ تھے۔ تمہاری رگوں میں بھی اُنہیں کا خون جوش زن ہے۔ اَب بھی تم ہو اور جب بھی تم تھے۔ پھر کیا وجہ کہ کوئی تمہیں مکھی کے برابر نہیں جانتا۔ یہ سمجھنے والوں کی خام خیالی ہے۔ اے مسلمانی کے زندہ کرنیوالو! خفا مت ہو

میں نے مانا کہ اُن طاقتوں کو تم ہیچ سمجھتے ہو جو تم پر بے سود الزام لگاتی ہیں لیکن صرف سمجھنا ہی کافی نہیں ہے۔ اپنی دماغی قوتوں سے۔ اپنی جسمانی طاقتوں سے۔ تدبیروں سے۔ حوصلہ سے۔ صبر سے کام لو۔ اور اُبھرے ہوئے جوش کو اپنے قابو میں رکھو۔ اور موقع پر دکھلا دو کہ تم میں بھی کیا جوہر ہیں۔ ۱۸۵۲ء–۱۸۵۴ء میں **عمر پاشا** کا اور گرد و نواح کے لوگ مانے بیٹھے ہیں۔ اور تم کیا ہو۔ تم بھی اُسی مٹی کے خمیر ہو۔ (نعرۂ اللہ اکبر) وادین ہی جگہ ہے جہاں روسیوں کے ہتھیار اُتروا لیئے گئے تھے۔ کس نے اُتارے تھے؟۔ تمہارے ہی بزرگوں نے۔ (نعرۂ اللہ اکبر)۔ ہتھیار ابھی تک قلعہ کے عجائب خانہ میں موجود ہیں۔ اکثروں نے وہ ہتھیار دیکھے ہونگے۔ اے اسلام کے بہادرو! اپنے دلوں کو مضبوط رکھو۔ لڑائی تمہارے لیئے اجنبی چیز نہیں۔ جہاد تمہارے خون میں ملا ہوا ہے اور جہاد ہی کیا شئے ہے۔ دق کرنیوالے کفار کو مارو اور مرو۔ حتیٰ کہ تم میں کا ایک باقی نہ رہے۔ ذلیل زندگی سے کیا فایدہ۔ ایسے جینے پر لعنت اور سینکڑوں لعنت۔ **خدا** تمہارا مددگار رہے **مشیر** تمہارا اصلاح کار اور رہبر ہے۔ **خدا** پر بھروسہ رکھو۔ مشیر کے حکم کی پابندی کرو"+

اس اسپیچ کے ختم ہوتے ہی خلیل نے اجازت چاہی کہ میں بھی کچھ کہنا چاہتا ہوں:۔

**خلیل** "مشیر کے فتوحات۔ مشیر کے احسانات بچہ بچہ کو ازبر ہیں۔ ہم اُن کے کارنمایاں پر بھروسہ نہیں کرتے۔ اُن کے چہرہ سے وہ جلال ٹپکتا ہے۔ اُن کا اثر قرب و جوار پر ایسا چھا جاتا ہے کہ کون اُس سے محسوس نہیں ہوتا۔ مردم شناسی اُن کا ہی کام ہے۔ موقعوں کی جانچ اُنہیں کا حصہ ہے۔ ہمارے دل اُن پر فدا ہیں۔ ہمکو اُن کے ساتھ کسی شئے کا ڈر نہیں۔ ہمارے ساتھ راست بازی ہے کیونکر ہوسکتا ہے کہ کوئی ہمارے گھر پر چڑھ آئے اور ہم خاموش رہیں۔ مسلمان ہیں غلام نہیں۔ حمیت ہے۔ ہیز نہیں ہیں۔ اللہ نے آدمی بنایا ہے۔ بربادی اپنی کیونکر دیکھی جاسکتی ہے۔ میں یقین دلاتا ہوں اور سب کی طرف سے کہتا ہوں کہ ہم لڑائی کے لیئے بے چین ہیں۔ ہم اور کچھ نہیں چاہتے ہیں کہ روس سے ہمارا مقابلہ ہو جائے ایک ایک کر کے کٹ جائیں گے۔ مارینگے مرینگے۔ تل بھر زمین نہ دینگے"

اس کے بعد عادل پاشا نے سب کو تسلی دیکر کہا۔ وقت قریب آگیا ہے کوئی لمحہ ہی جاتا ہے کہ میدان کارزار میں موجود ہو گے سب کچھ ہو چکا۔ اب صبر سے انتظار کرو۔ گولہ باری وقتاً فوقتاً ہوجایا کرتی تھی۔ مگر نہ اس کا کچھ حاصل نہ حصول۔ یہ زنج کے باہر دونوں تھے نہ ان کے گولے کا اثر اُن پر۔ نہ اُن کا ان پر۔

یہاں عثمانی فوج بیکار پڑی تھی۔ اُدھر تمام شمالی ٹرکی میں روسی چھا گئے تھے تمام ایشیا کوچک کے حدود پر آ گئے تھے۔ اگر اس جگہ تاریخ لکھنی منظور ہوتی تو تمام ملکوں کا حال مفصل بیان کیا جاتا۔ لیکن ہماری غرض تو پلونا کے مشہور واقعہ تک محدود ہے جس نے **عثمان** کا نام چار دانگ عالم میں روشن کر دیا۔ عثمان نے جب دیکھا کہ سستو فتح ہو چکا ہے۔ نکاپولی محاصرہ میں ہے تو **بابعالی** کی خدمت میں عرض کی کہ یہاں قیام رکھنا بے سود ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ روسیوں کے مقابلہ میں ایک دم سے جا پڑیں۔ ۱۱ ستمبر کو یہ تجویز منظور ہو گئی۔ چنانچہ مشیر نے حکم دیا کہ آدھی فوج وادین کی نکاپولی کو روانہ ہو جائے جہاں حسن ہیری پاشا کو کرودنر کا خوف ہے۔ بیلا اور ٹرانووا کے درمیان ایک سمت سے حملہ کیا جائے اور مشرقی بلگیریا کی افواج کے ساتھ ملکر دل کھول کر لڑیں۔ اگر بالفرض ناکامیابی بھی ہوئی تو لوچا میں واپس آجائینگے اور وہاں سے آئندہ کی کارروائی شروع ہو گی۔ دو روز رسد وغیرہ کے خیال سے ٹھہرے۔ پھر یہاں سے چل پڑے۔ مگر راستہ میں معلوم ہوا کہ نکاپولی فتح ہو چکا ہے۔ اور روسی ڈنیوب کے جنوب میں چلے آرہے ہیں اگرچہ پلونا کوئی ایسا اچھا مقام نہیں تھا۔ لاچار عثمان کو اُدھر کا رُخ کرنا پڑا۔ یہاں کوئی قلعہ نہیں تھا۔

# ایا صوفیہ

یہ ایک مشہور تاریخی مقام قسطنطین کی تعمیر ہے - اس کا گرجا بہت مشہور تھا اور اب وہ مسجد ہے - یہاں ہر قسم کی تجارت ہوتی ہے - تمام شمال کی سڑکیں آکر ملتی ہیں اس لیے بڑا فوجی ذخیرہ یہاں **راضی پاشا** کے زیر کمان مقرر کیا گیا تھا - رسد پارچہ جات - اسباب چرمی و اُونی سب کچھ یہاں مہیا تھا - اس غرض سے کہ جس چیز کی آگے ضرورت ہو گی یہاں سے پہنچا دی جائے گی - ایک لاکھ سپاہ یہاں موجود تھا اور عثمان کو اسکا بڑا بھروسا تھا کہ اب آگے روسی کچھ نہیں کر سکینگے - جو کچھ بھی کہ نقصان کیا ہے وہ بعض اصحاب کی غفلت سے ہوا ہے اُمید ہے کہ آئندہ وہی باتیں پھر نہ پیش آوینگی - اس جگہ کی بابت ایک اور وجہ ہے اس واقعہ میں زیادہ تر بیان کرنا ضروری ہے کہ یہاں چوک میں **زینب** کے باپ یوسف کی کوٹھی ہے - اس وقت زینب اپنے باپ کے ساتھ رہتی ہے - شادی کے پرچے جاری ہیں - اور زینب کے باپ کی عین خوشی ہے کہ زینب کی شادی ہو جائے - اُس کی ماں بھی اسی بات پر زور دے رہی ہے - ایک جگہ کی بات دونوں کو پسند خاطر ہے اور وہ خاص سلطانی خزانہ کے مہتمم کے لڑکے کی ہے - ظاہر میں کوئی نقص نہیں ہے اور حقیقت یہ کہ اس کو ہر فن میں کمال حاصل ہے - عربی - فارسی - ترکی - فرنچ - جرمن - گریک - غرض ہر زبان کا ماہر اور نیکی - طباع - تمام سلطنت میں اسکی شہرت اور اس کے اوپر یہ کہ جوان سجیلا - خوش وضع شکیل - رنگ و روپ میں ایک عجیب قسم کا بانکپن کہ جسے دیکھکر دل خود بخود پھسل پڑے - ایسے شخص کے ہزاروں شائق ہوتے ہیں - مگر واہ رے زینب سطرف رُخ بھی تو نہیں - اگر عارف سے قلبی لگاؤ نہ ہوتا تو ہمارے خیال میں بھی اُس کو کوئی انکار کا موقع نہیں تھا - لیکن **عارف** کا لگاؤ اپنے والدین سے کیونکر بیان کرے اور فرض کیا کہ راز افشا بھی ہو جائے تو لوگ سوائے قہقہہ لگانے کے ایسے خیال کے ساتھ اور کیا کر سکتے ہیں - کون ایسے شخص کا شیدائی ہو جو جان بوجھ کر موت کے منہ میں چلا ہو

مگر نہیں صادق الاقراری اور یکسوئی بھی کوئی شے ہے۔ زینب کی ایک دُودھ پلائی تھی اُم کلثوم نام۔ زینب کو بہت چاہتی تھی۔ زینب بھی اُسے علیٰ ہذا چاہتی تھی اور زینب ہی کی خاطر مسٹر یُوسف اور اُن کی بی بی بھی اُس کی خاطر کیا کرتے تھے چنانچہ وہ گھر میں ذرا بے تکلف بھی تھی۔ اُس کو اِس کام پر مقرر کیا کہ زینب کا عندیہ لے کہ مقصد اُس کا کیا ہے۔ چنانچہ ایک روز زینب بیٹھی تھی اور وہ یکایک آ پڑی۔ زینب چونک اُٹھی:۔

**زینب** :۔ واہ دادی اماں۔ تم نے تو مُجھ کو ڈرا دیا۔ دیکھو تو میرا دل کیسا دہل رہا ہے"۔

**اُم** :۔ اُوئی بچی۔ میرے آنے سے تم دہل گئیں۔ تو اپنے میاں کے پاس کیسے جاؤگی"۔

زینب حقیقت میں اِس گفتگو سے ذرا ناخوش ہوئی لیکن مُسکراتا ہوا چہرہ بنا کر اِس غرض سے کہ کلثوم کے دل کو چوٹ نہ لگے کہا "دادی اماں۔ تم ہمیشہ ایسی باتیں کیا کرتی ہو میاں میں کیا دھرا ہے اگر ابھی ضرورت میاں کی ہوگی تو یہ بھی ہو رہے گا۔ تم جانو میری ابھی عمر ہی کیا ہے جو بیاہ کے لیئے اسقدر اصرار ہے"۔

**اُم** :۔ بچی۔ اب کے محرّم میں پورے چوّدہ برس کی ہو جاؤگی۔ پندرھواں سال لگ جائیگا۔ اب ماشاء اللہ جوان ہو (اُس کے چہرہ کی طرف اشارہ کر کے) اور اِس باغ کا کوئی سیر کرنے والا۔ دل کا بہلاوا کوئی تو آخر ہوا چاہیے"۔

**زینب** :۔ دل چاہے۔ تب نا۔ یا یوں ہی"۔

**اُم** :۔ تو اپنی جوانی ان ہی درودیوار کے اندر غارت کردوگی۔ بڑھاپے میں کوئی پُوچھنے کا بھی نہیں"۔

زینب یہ سُن کر کھل کھلا پڑی۔ معاً اُسکو یہ خیال پیدا ہوا کہ کلثوم کے نزدیک وہ عورت اچھی جس کو زیادہ مردوں سے تعلق ہو اور ہر طرف سے تعشق کی صدا بلند ہو۔

**زینب** :۔ اچھا فرض کیا۔ کہ کسی نے نہ پوچھا تو؟"

**اُم** :۔ زندگی اکارت کروگی۔ دنیا کے مزوں سے واقف بھی نہ ہوگی۔ لوگ یوں ہی تہمتیں لگائینگے۔ اچھا کہو آخر اِن میں کیا بُرائی ہے۔ کوئی بھونڈی صورت کا ہے کوئی

جاہل ہے کیا ہے "
زینب " دادی اماں بُرائی تو کوئی نہیں۔ بات صرف اتنی ہے کہ شادی سے طبیعت بھاگتی ہے۔ تم ہی کہو۔ خدا جو اپنی محبت دے تو اچھا ہے یا دنیا وی محبت سے گئے دن کی " ؟
ام " بیٹی تم سے کوئی نہیں جیتنے کا۔ اگر رابن خود بھی آ کر تم سے گفتگو کرے تو اِس تقریر کے آگے وہ بھی ہیچ ہے۔ لیکن ایک بات ہماری بھی سُن لو۔ شادی سے کیا عبادت منع ہو جاتی ہے۔ کیا اللہ نے شادی کو منع کر دیا ہے۔ اگر ایسا ہی ہوتا تو دنیا کیوں بستی " ؟
زینب " یہاں سب ہی قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ دنیا میں ساری خوبیاں موجود ہیں لیکن مجھے جو اچھی نہیں معلوم ہوتی اُس کا کیا علاج ؟ "
ام " مسٹر یوسف کہتے تھے کہ اگر متواتر کہنے کے بعد بھی زینب انکار ہی کئے جائیگی تو اُس سے دست بردار ہو جائینگے "
یہ کہکر کلثوم تو زینب کے پاس سے چلی گئی اور زینب کا یہ عالم کہ ایک آنکھ میں جھروں آنسو۔ دروازے سب بند کر دیئے۔ اور دو زانو بیٹھکر ہاتھ پھیلا کر اپنے معبود حقیقی کو یاد کر کے کہنے لگی کہ یا بار خدایا۔ تو نے یا مجھ کمبخت نے خود ایک تعلق پہلے سے پیدا کرا دیا یا کر لیا ہے۔ اور وہ کیونکر توڑے ٹوٹتا ہے۔ اگرچہ میں نے گناہ کیا ہے لیکن اِس گناہ ہی میں مجھ کو ثابت قدم رکھ۔ مجھ سے نہیں ہو سکتا ہے کہ جان بوجھکر عارف سے دغا کروں۔ عارف کا نام دل میں آیا ہی تھا کہ از خود رفتہ ہو گئی۔ اپنی مصیبت بھول گئی تمام میلان خاطر اُس طرف جمع ہو گئے اور اس جُدائی کے عالم میں ایسا کتنی ہی دفعہ اور نہوا ہو گا اور ہمہ تن خیال ہو کر کہنے لگی۔ خداوندا۔ رَن پر جانے والے کا تو حامی اِس بے یار و غمخوار کا تو دستگیر۔ اُسکی بھلائی بُرائی تیرے سپرد کرتی ہوں۔ زمین و آسمان کی بادشاہت تیرے ہاتھ ہے۔ دلوں پر تو قادر ہے۔ دماغوں پر تو حاوی۔ یہ کُشت و خون تو موقوف کر۔ عارف کو خوش خوش واپس لا۔ کوئی وقت ایسا نہیں عارف کہ تم بھولتے ہو۔ اِس دل میں یا خدا کا کلام ہے یا تمہاری تصویر۔ مجھ کو سب کچھ گوارہ ہوگا خانہ بدوشی۔ فقر و فاقہ۔ طعنہ تشنیع سنحتی سُستی۔ لیکن تمہارے نام سے بھی غارت ہو

اُف یہ نہیں ہونے کا - اے کاش اُس روز مَیں نہ رہوں جس دن کہ تمہارا نام اس بیوفا اور بے فیض دل سے غایب ہوتا ہو - مجھے اِس بات کا کوئی اندیشہ نہیں ہے کہ تم سے دُور ہوں - مجھے کوئی فکر نہیں کہ تم کہاں ہو مَیں کہاں ہوں - جہاں رہو تندرست رہو آسائش سے رہو - ایک ذرہ ہی جگہ ہمارے یاد کی بھی دل میں ہو - اگر تم زندہ ہو مَیں زندہ ہوں جس روز عارف تم مرجاؤ گے اُس روز مَیں بھی نہیں ہوں گی - مجھے اس بات سے کافی تقویت حاصل ہے کہ مرنے کے بعد تمہارے ساتھ ہونگی - اگر یہاں ملنا نہ نصیب ہوا - ہماری مُلاقات کس قدر قلیل عرصہ رہی - حیف وہ زمانہ ایک دن کا بھی عرصہ نہیں نظر آتا ہے - مگر خدا معبود حقیقی ہے سب کے دلوں کو جانتا ہے - جس نے ستارے پیدا کیئے ہیں اور اُن میں روشنی دی ہے - جس کی وجہ سے چاند سورج کو گردش حاصل ہے جس نے دنیا کو پھل پھول سے آراستہ کیا - جو عارف ہمارے تمہارے ملنے کا سبب ہوا جس نے تمہاری محبت ہمارے دل میں ڈالی - ہائے عارف وہ ایسا ظالم نہیں کہ اسکو رائگاں جانے دے - میں تم سے وعدہ کر چکی ہوں - اور صرف تم سے ہی نہیں - اپنے خدا کے روبرو بھی کہ اس دل میں اور کسی کی جگہ نہیں ہوگی کبھی نہیں ہوگی - میرے ماں باپ اس راز کو کیا جانیں اور اس محبت کے عمق کا کیا اندازہ کرسکتی ہیں - کیا میں روز نماز نہیں پڑھتی - کیا صدق دل سے اللہ کے آگے ناصیہ فرسا نہیں ہوتی - اگر ماں باپ گھر سے نکال دینگے تو معبد خانہ میرا مکان نہیں ہو سکیگا - اور عارف اگر زندہ پھرے تو کیا مجھ کو وہاں سے اپنے کلیجہ میں نہیں لگا لینگے - اور اگر مرگئے تو کیا دوسری دنیا میں میری بات بھی نہ پوچھینگے - عارف ستم رسیدہ عارف ظلم دیدہ - عارف - تمہارے فراق میں یہ آنکھیں خون ہو کر بہجائینگی ؛

اُم کلثوم زینب کو اکیلا چھوڑ کر زینب کی ماں کے پاس گئی اور اُس سے سارا حال بیان کردیا - کچھ اپنی طرف سے نمک مرچ بھی لگاکر - اُس کے چہرہ سے تو ولایت ٹپکتی ہے - وہ ہمیشہ ورد و وظایف میں مشغول ہے - کسی کی بات کا وہ بُرا نہیں مانتی - اور جواب ایسے معقول دیتی ہے کہ ہمارے فرشتوں کو بھی جس سے مس تک نہیں - بی بی اُسکو اپنے خیال میں چھوڑ دو - وہ گھر کے لیئے ایک برکت ہے - ایسی بیٹیاں کاہیکو ہوتی ہیں - جہان میں تو یہ ہوتا ہے کہ لڑکی جہاں بالغ ہوئی کوئی سجیلا جوان،

چاہیئے۔ میں گرفتار۔ یہاں سب کچھ علم و فضل میں کمال عزت آبرو اعلےٰ درجہ کی۔ روپیہ پیسے کی کثرت۔ پھر نہیں سمجھتی۔ کسی کا سایہ تو نہیں۔ انسان تو ایسے ہوتے نہیں ✦

**بی بی** ''(سایہ کے نام سے چونک ہو گئی اور کہا) لڑکی ایسی تھی نہیں۔ جب سے میری بہن کے پاس سے آئی ہے۔ تب ہی سے کچھ دیوانی دیوانی نظر آتی ہے۔ معلوم نہیں کیا ہو گیا۔ پہلے رابن کے نام سے خوش ہوتی تھی۔ ضرور اس میں کوئی نہ کوئی بھید ہے ورنہ ایک مہینے دو مہینے کے عرصہ میں اس قدر بدل جائے کیونکر ممکن ہے''

**امم**'' اچھا تو میں ایک تدبیر بتلاتی ہوں۔ وہ بھی کر کے دیکھ لو۔ رابن کو ہفتہ عشرہ یہاں بُلا لو۔ دُو بدو تقریر کا شاید کوئی نتیجہ ہو۔ اور وہ بھی اپنے فن میں کامل ہے''

بی بی کو بھی یہ بات پسند آئی۔ کہا کہ کلثوم تو سچ کہتی ہے۔ مسٹر یوسف سے اس بارہ میں صلاح کریں گے۔ اگر ممکن ہوا تو ضرور بلالیں گے۔ شاید وُہی کوئی جادو کرے ✦

# مسٹر اور مسز ہاورڈ

انسان ایک مشت خاک ہے۔ پیدائش کس قدر ضعیف۔ ایام زندگی کے کس قدر قلیل۔ یہ سب باتیں سب جانتے ہیں لیکن معہذا کس قدر خود نمائی اور خود غرضی سے بھرا ہوا ہے اور یہ ساری باتیں ایک ذرہ سی جان کی خاطر۔ بھلا روس کو کیا پڑی تھی کہ بیٹھے بٹھائے پرخاش کھڑی کرے۔ مسٹر اور مسز ہاورڈ کچھ اپنے زوروں پر ایسے تلے ہوئے ہیں کہ ہر طرح سے بیچارے عارف کی خرابی کے درپے اور کس لیے کہ اُسکا مال اُن کے ہاتھ آئے۔ وہ مال جس سے کہ اب تک مزے اڑا رہے ہیں کیا مسٹر ہاورڈ کو مرنا نہیں ہے یا مسز ہاورڈ کو۔ وہ خود بھی یہ جانتے ہوں گے۔ مگر اپنے مزوں میں ایسے بھولے۔ اس نشہ میں ایسے چور ہیں کہ اپنی موت کا خیال ایک دفعہ بھی اُن کو نہیں آتا ہوگا۔ مس آلفا کو انھوں ہی نے برانگیختہ کر کے شر پر آمادہ کیا۔ خیر اُس سے فی الحال تو کچھ ہو نہیں سکا۔ اب بھی بیچارے کا پیچھا چھوڑ دیں سو اب بھی نہیں۔ روز عارف ہی کے متعلق گفتگو اور ہر روز نئی طرح سے خرابی کے درپے۔ اس پر قناعت نہ کر کے کہ جنگ پر گیا ہے مس آلفا کہا ہے۔ خود قصد کیا کہ ابا صوفیہ چلکر رہیں وہاں نئی نئی خبر روز معلوم ہوا کرے گی اور اُسی کے مطابق اپنا انتظام کیا جائیگا۔ چنانچہ دونوں چل پڑے اور فضلِ الٰہی سے یوسف کے مکان پر زینب کے کمرے کے محاذ میں آکر ٹھہرے اور اُس مکان کی ساخت کچھ ایسی تھی کہ جو باتیں اُس کمرہ میں ہوتیں وہ نہایت ہی صاف صاف زینب کے کمرہ میں سُنائی دیتیں۔ اِن کے روز کا تذکرہ عارف ہوا اور زینب کو عارف سے خاص لگاؤ۔ اگر سوتے میں بھی کوئی نام لے دے تو زینب چونک پڑے۔ قدرت نے یہ ایک اچھا سامان مہیا کر دیا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ بے ایمان کی ناؤ بھر کر ڈوبتی ہے۔ مسٹر اور مسز ہاورڈ عارف ہی کی بدولت مزے اڑاتے پھرتے ہیں اور پھر اُسی کے مارنے کے درپے ہیں۔ تو خدا عالم و دانا ہے اُس سے تو کوئی بات چھپتی نہیں۔ کمزور کا وُہی حامی ہے۔ ورنہ جو زبردست ہو دوسرے کو یوں ہی

کھا لیا کرے +

مسٹر اور مسز ہاورڈ ایک روز معمول سے زیادہ دیر میں آئے۔ سیر و تماشے میں دونوں اکٹھے نہیں رہا کرتے تھے۔ وہ اپنی راہ لیتا اور وہ اپنی۔ اکٹھا ہوتے تو محض عارف ہی کی خاطر۔ اور جو ذکر عارف کا اُن کے درمیان آتا۔ زینب اُس کو نوٹ کرتی جایا کرتی۔ روز صفحہ کے صفحہ رنگنے پڑتے۔ اس روز جو غیر معمولی دیر کے بعد آئے تو اس طرح سے اُنھوں نے شروع کیا :-

مسٹر "میں نے سُنا ہے کہ عثمان کا کالم اِدھر سسٹووا کی طرف آنیوالا ہے"

مسز "اور اُمید ہے کہ پلونا پر لڑائی ہو"

مسٹر "کوئی صورت ایسی ہوتی کہ سب کے آگے کی صف میں عارف ہوتا"

مسز "یہ تو ہمارے کرنے کی بات نہیں"

مسٹر "ہمارے کرنے کی بات کیوں نہیں روپیہ بڑی چیز ہے"

مسز "اور اللہ کی مرضی۔ جس کو اللہ رکھے اُسے کون چکھے"

مسٹر "یہ سب کچھ صحیح مگر تدبیر بھی ایک عجیب چیز ہے۔ اب کیا کرنا چاہیئے۔ سویلائیزڈ لڑائی میں اپنا خوف تو کوئی ہی نہیں۔ اور فرض کیا اگر کہیں پھنس بھی گئے تو کیا کرسچن کرسچن کو مارے گا"

مسز "تو آپ کا مطلب کیا ؟"

مسٹر "مطلب صرف یہی ہے کہ پلونا پہنچو اور وہاں سے کوئی فکر کرو۔ جب تک یہ خار رہیگا کھٹکتا ہی رہیگا"

مسز "ہائے ظالم۔ تو نے اس کے باپ کو مروایا۔ اب اُس کے خون کا بھی پیاسا ہے"

مسٹر "باپ کو ہمنے مروایا ؟ تمنے آپ کیا جو کچھ کیا"

مسز "جی میں نے کیا ! خیر میں نے کیا۔ ٹوپی کس نے میرے پیروں پر رکھی تھی اور دوسرا خون بھی میرے ہاتوں سے ہو"

مسٹر "خیر میں ہی سہی۔ تم تو خفا ہوئی جاتی ہو۔ اگر تدبیر نہیں کرو گی۔ وسائل نہیں ڈھونڈھو گی۔ تو کیا ہاتھ آئیگا"

مسز "تو تدبیر یہی رہ گئی ہے کہ خون پر خون کیا جائے۔ اچھا وہاں پہنچکر کیا کرو گے ؟"

مسٹر ر" مختلف حیلوں سے آگے بھیجیں گے اور پھر بھی اگر بچ رہا تو زہر۔ ورنہ رات کو کسی وقت یہ ہاتھ اُس کا کام تمام کرنے کو کافی ہیں۔ یقین مانو جب تک یہ کانٹا نہیں نکلیگا آرام سے رات بسر نہیں ہوگی۔"

مسز" ہائے ظالم"

مسٹر" ظلم اس میں کا ہیکو اپنے مطلب کے لیئے آدمی سبھی کچھ کرتا ہے۔ تدبیر ہے"

زینب یہ سارا سُن کر سک دم رہ گئی۔ اور کہا کہ ضرور یہ وُہی دونوں ہیں جن کا اظہار عارف نے چلتے وقت کیا تھا۔ بہت روئی۔ ظالموں۔ تم نے اب بھی اُس کا پیچھا نچھوڑا تمہاری تقریر ایک ایک حرف میرے پاس لکھی ہوئی ہے۔ میں اُس کو پولیس کے حوالہ کردوں گی۔ وہاں سے بدباطنوں کو کافی معاوضہ مل رہیگا۔ رات بھر روتی رہی کہ یہ ظالم تجھے نہیں چھوڑینگے اور اللہ سے دُعا مانگتی رہی کہ خداوندا صبر دے۔ جب صبح ہوئی۔ تو کہا ایک خط میں بند کر کے عارف کے پاس اس کو بھیجدینا چاہیئے۔ اتنا تو ہوگا کہ غافل نہیں رہیں گے۔ یوں تو سب کام اللہ بناتا ہے اور اُس غریب کا سوائے خدا کے کون ہے۔ یہ دونوں تو اُس کے خون کے پیاسے ہیں۔ اور میں نے اگر یہ پرچہ پولیس کے حوالہ کر بھی دیا تو کچھ ہونے کا نہیں۔ لڑائی کا موقع ہے۔ ہر کسی کو اپنی اپنی پڑی ہے۔ اور کیا بھی اگر تو یہ دیکر چھوٹ جائیں گے۔ وہاں اور لوگ یہ نہ کہیں گے کہ اس کو کیا پڑی تھی جو اس معاملہ میں مدعی بن گئی۔ ہمارا راز افشا ہو جائے بس مناسب یہی ہے کہ خط لکھ بھیجیں۔ ملنا ہوگا مل رہیگا۔ اور نہیں تو نہ سہی۔ اور سب معاملات جو اللہ کے سپرد کر رکھے ہیں۔ یہ بھی اُن میں سہی +

زینب کو عارف کا پتہ تو معلوم تھا ہی کیونکہ روزانہ اخبار دیکھا کرتی تھی اور عارف کو اپنی جوانمردی اور عالی حوصلگی۔ زباں دانی۔ رسا کاری کی وجہ سے روز نئے عہدے ملتے تھے۔ یہاں تک کہ خاص شہر کا صحبت بن گیا تھا۔ روز عارف کے حالات سے واقفیت ہوتی رہتی تھی۔ اُس کی ترقی کی خبر اور تندرستی اور عزت اور آبرو کی روز افزونی ایک چیز تھی جس کو زینب خاص طور پر مدنظر رکھتی تھی۔ چنانچہ پلوبنا کے پتہ سے عارف کو خط لکھا اور اُسی روز بھیجدیا۔ کوئی تین چار دن کے بعد یہ پرچہ کا رُبھی روانہ ہو گئے مگر پیشتر اس کے کہ روانہ ہوں سر لقا بھی ان سے آن ملی اور تمام سرگزشت واپس لی

کہہ سنائی اور آخر میں کہا عارف کا قبضہ میں آنا ذرا مشکل ہے وہ ایسا نکلتا ہے جیسی کمان سے تیر۔ اب کیا ارادے ہیں ۔

مسٹر ۔ "پلونا جاتے ہیں۔ وہاں کوئی تدبیر نکالینگے "

مسنر ۔ "اور تم بھی چلوگی "

الفا ۔ "اگر مسٹر کا ایگرو جانے پر آمادہ ہوں "

مسٹر ۔ "اُن کا راضی کرنا کون سی بڑی بات ہے "

مسنر ۔ "تو آپ اپنے کام میں ناکامیاب رہیں "

الفا ۔ "عارف کا وہاں ٹھہرنا ہی نہیں ہوا۔ خلیل اور ابراہیم کو تو ایسا کانٹھا تھا کہ ضرور کوئی گل کھلاتے "

مسنر ۔ "تم سے بہی امید تھی۔ بہن ہوکر بہن کے کام میں سرگرمی نہ ہو تو بڑے افسوس کی بات ہے "

الفا ۔ "میں ہر طرح سے حاضر تھی۔ جان سے مال سے عزت سے آبرو سے ۔

مسنر ۔ "بہنوں کے حقوق ایسے ہی ہوتے ہیں۔ میں بھی تمہارے کام کے لیئے ایسی ہی حاضر ہوں۔ الفا اگر اس معاملہ میں کامیابی ہوگئی۔ تو مدۃ العمر احسان نہیں بھولوں گی "

الفا ۔ "تمہارے لیئے جان تک تصدق ہے "

# پلونا

لڑائی کا میدان بھی عجیب سماں پیدا کرنیوالا ہوتا ہے۔ اور پلونا جیسا چھوٹا سا قصبہ جس کے چاروں طرف انگور اور سیب کے باغات۔ اوسما اور وِد دو دریا اس کے پاس سے گزرتے ہیں۔ گرا وٹزا چند میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ مشرق کی طرف اوسما ہے اور مغرب کی طرف وِد۔ شمال میں کچھ بلندیاں ہیں۔ اور جنوب کی طرف بھی ویسا ہی۔ اور تمام شہر انگوروں کی بیلوں میں ڈھنپا پڑا ہے۔ گویا عروس ہے جس نے دھانی لباس پہن رکھا ہے۔ یا شاہد خیال ہے جو دل کے قلعہ میں بند ہے۔ اسی پلونا کی نسبت زار روس کے سامنے ایک منجم نے پیشین گوئی کی تھی کہ پلونا نہایت ہی سخت مقام ہے اور سب آ... ان ہیں ذرا اسی کا خیال بیشتر چاہیئے۔ یہاں کوئی قلعہ نہیں تھا عثمان نے تمام شہر کے گرد مورچہ بندی شروع کردی۔ نکاپولی سے فراغت پاکر روس کے آنے کے لیئے ایک ہفتہ چاہیئے تھا۔ اس ایک ہفتہ کے عرصہ میں سات لائنوں میں اپنے مورچے عثمان نے تیار کرا لیئے اور آرام سے روس کی آمد آمد کی انتظار کرنیلگے سپاہی صبح و شام خرید و فروخت کے لیئے شہر جاتے خلیل اور ابراہیم بھی پہنچا کرتے عارف نے تو اس روز سے قسم کھالی تھی کہ شہر نہیں جائینگے۔ اور جس روز سے زینب کا خط ملا اس روز سے وہ ارادہ اور بھی مستحکم ہوگیا تھا۔ جب عارف کو زینب کا خط ملا تو اس نے اپنے دل میں کہا کہ دیکھو زینب کو میرا کتنا بڑا خیال ہے۔ خدا اس جنگ کو ختم کرے کہ اس غریب سے ملیں۔ روح تڑپتی ہے مگر ملک کی حمایت بھی لازمی ہے اور مشیر کے ساتھ اسقدر رسوخ ہوگیا ہے کہ وہ مجھے اپنا داہنا بازو سمجھتے ہیں۔ اسحالت میں چھوڑکر جانا تو مردانگی سے دور ہے۔ مگر اصل یہ ہے کہ تمہارے دیکھنے کو روح تڑپتی ہے۔ تمہارا خط تو مجھ کو ملگیا مگر میں اب اس کا جواب کس طرح دوں۔ دل کا حال بیان کرنا تو ابھی قسمت میں نہیں۔ اپنی خیریت اخبار سلطانی میں مشتہر کرادوں گا۔ اسکی نظروں سے بھی گزر کر ذرا تو غریب کا دل خوش ہوجائیگا۔ چنانچہ عارف نے اڈیٹر کو نوٹس کے

طور پر لکھ بھیجا۔

# نوٹس

"عارف کے دوستوں کو معلوم ہو کہ عارف خیریت سے ہے۔ لوگوں کے توہمات بے بنیاد ہیں۔ مُلک کے اوپر صدقہ ہونا اعلےٰ ترین زندگی ہے اور کوئی ترکی ہو کر ایسا ممکن نہیں کہ اس زندگی کو اَوُر زندگیوں پر ترجیح ندے" اخبار سلطانی کے روزانہ پرچوں میں یہ خبر دو ہفتہ تک متواتر نکلتی رہی۔ کس کے لیئے؟ صرف زینب کی خاطر۔ کہ اُس کے توہمات کچھ تو دُور ہوں اور کچھ تو چین سی رہے ہائے رے محبت تو بھی کیا چیز ہے۔ کون سا دل ہے کہ جہاں تو نہیں۔ ایک شکل میں ہو یا دوسری شکل میں۔ تیرا ہونا لازمی ہے۔ تجھ ہی سے یہ دنیا تھمی ہے۔ تیرے ہی بدولت بڑے بڑے کام ہوتے ہیں۔ مہندس کے لیئے تیری ضرورت عالم کے واسطے تیری خواہش۔ فقیر ہو یا غنی۔ اکیلا ہو یا دوکیلا۔ تو دور نہیں کہیں تو محدود صورت میں ظاہر ہو کر اپنے آپ کو ایک نفس تک محدود رکھتی ہے۔ لیکن بیغرض بن کر اپنے جلوے کا پرتو تمام عالم میں پھیلاتی ہے۔ پیدائش کے وقت تو ہی رفیق ہوتی ہے۔ زندگی بھر رہتی ہے۔ مرنے کے بعد بھی جدا نہیں ہوتی۔ تو اُمید کی طرح دل میں گھر کرنیوالی ہے۔ لیکن تجھ کو پہل ہے اُمید بعد میں آتی ہے اور دلفریب صورتوں سے دُور ہی دُور سے لبھاتی ہے۔ تو بہترین ہے ہجلیس ہے تو فضل ہے تو کرم ہے۔ جیسے بعضے کہتے ہیں کہ ایک نفس تمام انسان میں باوجود فردیت کے عام ہے۔ وہ تو ہی ہے۔ تُو خدا کا پرتو ہے۔ کون ہے جو تیری سہارے نہ جیتا ہوگا۔ بخیل کو دولت کی محبت۔ طالب علم کو کتاب کی محبت۔ شرابی کو شراب کی۔ عاشق کو معشوق کی۔ ایک عالم پر تو چھا رہی ہے۔ بلونا کو عارف کی تخریب پر آمادہ کر رکھا ہے۔ عارف کو زینب کی دُھن ہے۔ چاند سورج کو گردش لیل و نہار۔ ایک کو ایک کی دُھن یہاں لگی ہے۔ اب آدمی وہ ہے جو اپنی دُھن کا پکا ہو۔ ہمیشہ اُسی میں گرفتار رہے وُہی اُس کے لیئے دنیا ہو وُہی اُس کے لیئے عالم۔ اَوُر چیزوں سے بے لوث اور پاک۔ سب احساس اپنے اپنے موضوع سے کنارہ کش ہو کر تجھ ہی میں آ جمع ہوں؟

# پلونا کا معرکہ اوّل

پلونا کے چاروں طرف خندقیں کھود کر مورچے بنا کر آرام سے ہو بیٹھے تھے۔ ساٹھ ہزار آدمیوں کی جمعیت مع توپخانہ۔ رسالہ۔ پیدل وغیرہم پلونا پر پڑی ہوئی روسیوں کی منتظر تھی کہ اب آئے اور اب آئے۔ صبح شام خبر لانے والے سوار تین تین چار چار میل تک نکل جایا کرتے تھے کہ دیکھ آویں کوئی سنگنی دشمن کی ملتی ہے یا نہیں دشمن اس وقت تک نکاپولی پر اپنا تسلط کر کے آگے بڑھ رہے تھے لیکن ساتھ ہی اُن کو یہ بھی خیال تھا کہ پلونا کی سد دقت طلب ہے جسکی بابت پہلے پیشین گوئی ہو چکی تھی۔ اسیطرح سے آسایش میں سب کے سب آرام سے بیٹھے تھے کہ یکایک بگل ہوا۔ سب تیار ہو جاؤ اور اپنے اپنے مورچوں پر چھپے بیٹھے رہو۔ جب دوسرا بگل ہو تو فایر کرنا سخت خاموشی کی تاکید تھی۔ ایک دوسرے سے آہستہ آہستہ بھی کوئی نہیں بولتا تھا۔ بعضوں نے اپنی کمین گاہ سے دیکھا کہ ہزاروں لاکھوں رُوسی چھوٹے چھوٹے دستوں میں جھپٹے چلے آتے ہیں۔ کبھی آڑ پاکر چھپ جاتے ہیں۔ پھر آگے بڑھ آتے ہیں۔ یہ نہیں معلوم ہوتا تھا کہ اتنی بڑی جمعیت آکدھر سے گئی۔ حشرات الارض کیطرح زمین سے نکل پڑے یا آسمان سے ٹوٹ پڑے۔ جب آگے والے مورچے کے زد پر آگئے تو بگل کے ذریعہ سے حکم ملا کہ "والی" یعنی ایک دم سے فایر کرو۔ بہتیرے رُوسی تو وہیں رہ گئے۔ پیچھے والے آگے بڑھے۔ دوسرے والی میں کچھ کام آگئے کچھ آگے بڑھے۔ ہاتھوں ہاتھ کی نوبت آگئی۔ اِس معرکہ کو جن لوگوں نے دیکھا ہے وہ ترکوں کی بہادری اور ثابت قدمی کی داد دیتے ہیں۔ بندوق کا جلدی چلانا اور گولی نشانے پر لگانا تو اِن کا حصّہ ہو گیا ہے۔ مالٹکے ایک مشہور جرمن جنرل کا قول ہے کہ ترکی ہاتھوں ہاتھ کی لڑائی اُس وقت شروع کرتے ہیں جبکہ اور لوگ پیچھے ہٹنے کا قصد کرتے ہیں۔ چاروں طرف لڑائی کھا کھم چھڑی رہی۔ دو گھنٹے تک جواب سوال ہوتے رہے۔ لیکن آخر کار ترکوں نے مُنہ پھیر دیئے۔ رُوسی

بے ترتیب ہو کر بھاگ نکلے۔ کسی کی جوتی رہ گئی کسی کی ٹوپی چھوٹ گئی۔ کوئی بندوق ہی پھینک کر بھاگا۔ افسوس کہ اس وقت عثمان کے پاس رسالہ کافی نہیں تھا ورنہ کیا ان میں سے جو ایسی بدحواسی کے ساتھ بھاگے جاتے ہوں ایک بھی بچ سکتا ہے ہرگز نہیں۔ مگر رسالہ ہی کافی نہیں تھا۔ بہت تھوڑا تعاقب کر کے چھوڑ دیا۔ لیکن وہ تو تین میل تک برابر ہی بھاگے چلے گئے اور تین میل کے بعد جا کر دم لیا۔ ہائے آدمی اوروں کے لیئے تو کس درجہ بے رحم ہے اور اپنی جان اسقدر پیاری۔ پھر اس طرح سے لڑنے کی ضرورت ہی کیا۔ اپنی جان کی طرح دوسروں کی جان کو بھی سمجھنا چاہیئے۔

دوسرا دن تمام امن سے گزرا۔ معمول کے موافق دیکھ بھال کا دستہ روانہ ہوا۔ جوان اپنی اپنی جگہ مسلح تیار پڑے رہے۔ یہ اہتمام کر دیا گیا کہ چار چار گھنٹہ کے بعد رفع ضروریات کے واسطے فارغ کر دیا جایا کریں۔ سردی کا موسم اور گیلی زمین میں پڑے رہنا۔ وہیں کھانا۔ وہیں سونا اور ہر وقت دشمنوں کی آمد کا دغدغہ لگا رہنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ کشتوں کے پشتے بندھ گئے تھے۔ بہتیرے سسک رہے تھے بہتیرے نیم جان زخمی پڑے تھے۔ تمام میدان میں ایک عجیب ہولناک سماں تھا کوئی ادھر لڑھکا پڑا ہے کوئی اُدھر۔ کوئی مر چکا ہے کوئی پیاس کے مارے بدحواس ہے۔ کسی کے منہ پر پھپھڑیاں پڑ گئی ہیں۔ جو علاج کے قابل ملے خواہ دوست خواہ دشمن اپنے ساتھ اُٹھا لائے اور اُن سے ہسپتال بھر دیا۔ دوست دشمن کا علاج یکساں تھا۔ کسی کو کسی کی تمیز نہیں۔ ہاں اتنا ضرور کیا تھا کہ روسیوں کا وارڈ جُدا گانہ تھا۔ ورنہ معالج وہی۔ دوا وہی۔ تیماردار وہی۔ خوراک وہی۔ بلکہ روسیوں کا زیادہ خیال کیا جاتا تھا۔ جہاندار سمجھتے جب تک میدانِ کارزار میں ہاتھ پائوں چلانے کے قابل تھے اُسی وقت تک دشمن تھے اب بے بسوں کے ساتھ کیا دشمنی۔ لیکن روسیوں کا جب غلبہ ہوا تو انہوں نے ایسا نہیں کیا بلکہ ترکوں کو تکلیف دی۔ اس معرکہ کے بعد دوگانہ شکرانہ پڑھا گیا۔ اور سب اپنے معبود حقیقی کی درگاہ میں شکریہ بجا لائے۔ فتح خدا کو زیبا ہے اور اُسی کی دی ہوئی فتح ہے۔ دن بھر تو امن سے گزرا۔ شام کو پھر گولہ باری شروع ہو گئی جس سے کچھ تھوڑا سا نقصان ہوا مگر آدمی سب خیریت سے رہے۔ ناظرین کو معلوم ہوا ہو گا کہ مسز ہاورڈ وغیرہ وغیرہ عارف کی تلاش میں

پلونا آئے ہوئے تھے۔ کہتے ہیں جب بُرے دن آتے ہیں تو چونٹوں کے پَر نکل پڑتے ہیں۔ اُن حضرات نے کیا حرکت کی کہ اس گولہ باری کے وقت ایک عمدہ موقع دیکھکر وہاں ایک گھاس کا تودہ تھا آگ لگادی۔ گرفتار اُسی وقت کرلیئے گئے اور آگ بُجھادی گئی۔ کچھ نقصان بھی نہیں ہوا مگر وہ گرفتار ہوگئے۔ صُبح ہوتے **عثمان** کے سامنے پیش ہوئے۔ وہاں عارف بھی موجود تھے۔ بہت بےبسی کے عالم میں عارف کی طرف دیکھا۔ ناظرین کو یہ خیال رکھنا چاہیئے کہ جنگ کے موقع پر قتل کی سزا عام سزا ہے اور وہ سب کے سب گرفتار الام قتل ہوتے یا پھانسی پر چڑھائے جاتے۔ مگر عارف کی سفارش کی وجہ سے معاف کردیئے گئے اور ہدایت کردی کہ آیندہ ایسا نکرنا ورنہ سخت سزا ملیگی۔ مگر جب قسمت بُری ہو تو بھلا کوئی بات آتی ہے سمجھ میں۔ اِس وقت تو چُھوٹ آئے اور ممکن ہے۔ کہ آیندہ بھی ایسے ہی چُھوٹ جائیں۔ قسمت زبردست ہے۔ دنیا میں ہر قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ ایک وہ بھی ہیں جو اپنا نقصان کرنے کے بعد بھی دوسرے کا نقصان گوارہ نہیں کرتے۔ ایک وہ بھی جو عمداً دوسروں کے حق میں بد اندیش ہوتے ہیں اور پھر کچھ اگر ملے تو کیوں نہ بدی کیجئے۔ ہائے رے نفس پرستی۔ ایک ذرہ سی خوشی کی خاطر یا لالچ میں آکر بنی نوع کیسے کیسے خراب کام کر بیٹھتے ہیں۔ اُس زمانہ کے ترکی افسر عموماً اسی قسم کے تھے ورنہ دشمن گھر پر چڑھ آئیں اور پھر اُن سے دب جائیں اور کچھ کرتے دھرتے نہ بنے۔ **سوئٹزرلینڈ** کی بھی اَور سلطنتوں کے مقابلہ میں کوئی حقیقت ہے اور آسٹریا کے مقابلہ میں تو محض بے بنیاد۔ جیسے سمندر کے مقابلہ میں قطرہ۔ لیکن اُنھوں نے آسٹرین کے مقابلہ میں فتح آخر حاصل کی ہے اور اُن کی ہمت مردانہ قابل داد ہے۔ جب اپنا جسم ہی مرضوں سے بھرا پڑا ہو تو پھر دوسروں کو کیا دوش دیا جائے۔ اِس معرکہ میں چنانچہ **سلیم آفندی پاشا** اس قماش کے تھے جو روپیہ پر اپنے آپ کو فروخت کرنا کوئی بُری بات نہیں سمجھتے تھے۔

ناورڈ کو پلونا آکر صرف یہ کام رہ گیا تھا کہ صورت ایسی بنے جس سے عارف پیوند خاک ہو۔ چنانچہ اُس نے سُنا کہ اوّل معرکہ میں وہ صرف مشیر کے ساتھ رہا۔ اُنہیں کو ہر ایک کام میں مدد دیتا رہا اور میدان میں آنا کیا خیمہ کے باہر بھی نہیں نکلا۔ تو اُس نے اپنا سر

پیٹ لیا۔ ہائے بڑا غضب ہوگیا اچھے وقت پر پلو نا پہنچے۔ اگر ابا صوفیہ پڑے رہتے تو یہ خبر بھی نہ ہوتی۔ اپنی بی بی سے سارا ماجرا بیان کیا اور پوچھا کہ اب کیا صلاح ہے اگر اسی طرح وہ جنگ سے جدا رہا تو اُس پر تو آنچ تک نہیں آنیکی۔

مسنر "ہے تو مسئلہ مشکل۔ یہاں کسی سے ملاقات بھی نہیں"

مسٹر "کوئی تدبیر نکالو۔ ایسے موقع پر ہی عقلمند اور بیوقوف پہچانا جاتا ہے"

مسنر "کیا تدبیر نکالیں۔ ان پاشاؤں سے ملو۔ پھر دیکھیں کیا صورت نکلتی ہے"

مسٹر "یہ تو سخت مشکل کام ہے۔ کہاں تک ملوں گا۔ اور روز کیا نئے نئے بہانے کھڑے کروں گا؟"

مسنر "دیکھو الفا کو بلاتی ہوں۔ اُس کی عقل ذرا دُور پہنچتی ہے۔ الفا۔ الفا"

مس "آتی ہوں"

الفا نے آکر ان دونوں کو متردد پایا تو سبب پوچھا۔ کہ آج بات ہی تو کیا ہے!

مسنر "کچھ نہیں۔ تم سے ایک صلاح کرنی ہے"

مس "سچ کہو (مسکرا کر) تو لو جلدی کہہ ڈالو"

مسنر "پچھلے جنگ میں بھی عارف شریک نہیں ہوا"

مس "کیوں۔ یہ کیونکر ممکن ہے۔ کسی نے جھوٹی خبر پہنچائی ہوگی"

مسنر "جھوٹی۔ جھوٹی کیونکر ہوسکتی ہے سب ہی کہتے ہیں۔ اُس کے دوست بھی اسی کے مُقر ہیں۔ اب کوئی تدبیر ایسی نکالو جس سے بھلا وہ شریک تو ہو۔ مرنا جینا تو پھر دیکھا جائیگا"

الفا ہرچند کہ زود فہم تھی اس بات کو سُن کر وہ بھی چکر میں آگئی۔ بولی کیا صلاح دوں مشیر تک رسائی کی صورت نکلنی مشکل ہے اور وہاں ایسی کوشش بھی مناسب نہیں ایسا نہ ہو کہ راز افشا ہو جائے اور پھر لینے کے دینے پڑ جائیں"

مسنر "الفا کوئی ایسی تدبیر بتلاؤ کہ اکثر سپاہی اور افسر یہاں جمع ہوا کریں"

الفا "لڑائی کے موقع پر یہ بھی دشوار ہے"

مسنر "نہیں سب تھوڑے سے کام میں مصروف رہتے ہیں۔ جن کو فرصت ملے گی

آجایا کریں گے"
الفا" تو چا، بسکٹ اسباب خوردنی کی ایک دوکان رکھ لو"
مسٹر" اور مس الفا کو اس کا مہتمم بنا دو"
مسنز" کیا سوجھی ہے۔ اس سے بہتر کوئی صورت نہیں نکل سکتی"
الفا" کوئی راگ ورنگ کا سامان بھی ہو"
مسنز" بس زیادہ کی ضرورت نہیں۔ موقع پر دیکھ لیا جائیگا"
مسٹر" مس الفا کی سریلی آواز"
الفا" اور مسنر ہاورڈ کی ملائم گفتگو"
مسنز" اور مسٹر ہاورڈ کی تیار کردہ چا، وغیرہ۔ بس یہ کافی ہے۔ پھر دیکھا جائے گا کیا صورت نکلتی ہے۔ ہمیں جلدی نہیں کرنی چاہیئے۔ موقع مناسب آپ نکل آئیگا جوئندہ یابندہ"
الفا" اور عارف ادھر آنکلا تو"
مسنز" پھر تو مزے ہیں۔ مگر وہ ایسی کچی گولی نہیں کھیلا ہے"
الفا" خیر نہ سہی۔ آپ کو یہاں بلا دیں تو کیا ہاروگی"
مسنز" الفا ہم نے مانا کہ تمہیں بڑی قدرت حاصل ہے۔ لیکن موقع ہے کام کا۔ کرکے دکھانا چاہیئے"
مسٹر" ہاں بیشک زبانی جمع خرچ سے تو صرف انرجی ضایع ہوتی ہے"
مسنز" اور کام کی انرجی میں فتور آکے واقع ہوتا ہے۔ دوکان کے لیئے کیا کرنا چاہیئے"
مسٹر" کرنا ورنا کچھ نہیں۔ نیچے کا مکان خالی ہے۔ فراخ ہے۔ اسباب سے مہیا کرنا چاہیئے۔ نوسامنے بلگیری سوداگر کی دوکان موجود ہے۔ نیا پرانا مال بھرا پڑا ہے۔ روپیہ کا صرف بے شک ہے"
مسنز" روپیہ کیا چیز ہے اگر کام بن جائے۔ کیا صرف آئیگا"
مسٹر" ایک ہزار کا تو خرچ ہوگا"
(مسنز بلونا نے اپنے صندوقچے سے پان پانسو روپیہ کے دو کڑے جڑاؤ

نکال کر سامنے رکھ دیئے) ایک اعتراض تو رفع ہوا۔ اُسی وقت ہاورڈ میاں بی بی۔ ایک سوداگر کے دوکان پر گئے اور نیا پُرانا فرش میز۔ میز کی چادر۔ جھاڑ۔ فانوس۔ لمپ۔ چاء کی پیالیاں۔ بسکٹ کے ٹین۔ دودھ دانی۔ شکردانی وغیرہ وغیرہ خرید لائے۔ دس ۱۰ روپیہ ماہوار پر نیچے کا مکان کرایہ پر لے لیا اور اُس کو ہر طرح سے جہاں تک ممکن ہوا شیشہ آلات وغیرہ سے آراستہ کیا۔ چوک کے ایک طرف چمنستان تیار ہوگیا۔ ایک بورڈ پر سنہری حروف ترشوا کر لگوا دیئے۔ نام مس آلفا کا لکھا گیا۔ یہ خیال تھا کہ حُسن بھی ایک جادو ہے۔ اگر سپاہیوں کو فرصت ہوا کرے گی تو ضرور مس آلفا کو دیکھکر تمام کیمپ یہاں ٹوٹ پڑا کریگا۔ اور جب چیز اچھی ملیگی اور اچھی صورت کی حلاوت اور ملاحت کا مزا آئیگا تو پھر کون یہاں سے بچکر جائیگا۔ مسٹر ہاورڈ نے کہا قسطنطنیہ کے قہوہ خانہ اور قرأت خانہ کا خاکہ تو کھنچا۔ اب ایک بات یہ بھی ہونی چاہیئے کہ ہم اور مسٹر کالیگرو اس اہتمام سے علیحدہ رہا کریں تو اور بھی زیادہ فروغ کی اُمید ہوگی۔ علیحدہ نہیں تو ایک طرف بیٹھے رہا کریں۔

**مسز**" جیسا آپ صاحب مناسب سمجھیں۔ لیکن تدبیر نکلی ہے اچھی۔ کچھ تعجب جو عارف بھی آ نکلے"

**مسٹر**" خیر اُس کی تو امید کریں نہیں۔ کیونکہ شاید کا معاملہ شاید ہی پورا ہوتا ہے"

پہلے معرکہ کے بعد کبھی کبھی شام کو گولہ باری دُور دُور سے ہو جایا کرتی جس سے طرفین کا کچھ نقصان نہ ہوتا۔ وہ بھی مُفت بارود پھُکتے اور یہ بھی مفت۔ سپاہیوں کو بھی ایک قسم کی اس وجہ سے آزادی ہوگئی۔ مورچوں پر تیاریاں تو ویسی ہی تھیں۔ خالی چھوڑنے کا ایک لمحہ بھی حکم نہیں تھا۔ لیکن جو اپنی ڈیوٹی سے فراغت پاتے وہ کیا کرتے انسان کے لیئے شغل لازمی ہے۔ بازار ہی کو چلے آتے۔ غرض ایک دو روز کے عرصہ میں یہ کیفیت ہوگئی کہ کیمپ سے رخصت ہوئی نہیں اور آلفا کے دوکان پر آکر موجود ہوئے نہیں۔ کیا سپاہی کیا افسر سبھی تو آتے۔ یہاں ان لوگوں نے ایک اور تدبیر کی۔ کہ کلاس مقرر کردیئے تھے۔ تین کلاس تھے۔ اور سب سے اعلےٰ کلاس کا اہتمام آلفا کے سپرد تھا۔ دوسرے کلاس میں بلونا مہتمم تھی۔ وقتاً فوقتاً ایک دوسرے کو ریلیو کرتے رہتے۔ لیکن حقیقت میں اہتمام ایسا ہی قرار پایا تھا۔ مس آلفا اور بلونا نے

اپنی سحر گفتاری اور ذاتی حسن سے وہ کام لیا کہ سارے کیمپ کو ایک مرتبہ لبھا لیا۔ یہ بھی کیا کہ جس کی اکثر آمد و رفت ہو اُس کے ساتھ کچھ رعایت بھی کیجائے۔ چنانچہ پہلی پیالی تو وزیٹروں کے سامنے ہمیشہ مفت پیش ہونیلگی۔ اور جہاں موقع دیکھتی وہاں الفا تو ضرور دو چار سگرٹ دو چار بسکٹ اَور نذر کر دیا کرتی۔ سبھی لوگ آیا کرتے تھے۔ مگر نہیں آیا تو ایک عارف نہیں آیا۔ ہر چند اُس کے دوستوں نے اصرار بھی کیا کہ میاں ذرا چلکے دیکھو تو سہی۔ پرستان اُترا ہوا ہے۔ مُفت کا تماشہ ہے اگر اب بھی محروم رہے تو پھر کبھی متمتع ہونے کی صورت نہیں۔ بلونا اور الفا دونوں کے چرچے تھے۔ مگر الفا پر ایک عالم فریفتہ تھا۔ بلونا کچھ کھیل کھا چکی تھی۔ اُس کے چہرہ میں وہ کرشمہ وہ انداز وہ سادگی نہیں رہی تھی جو الفا میں تھی۔ اور لبھانے اور فریفتہ کر لینے میں تو ایک ایک کی اُستاد تھیں۔ عارف کو اپنی زینب کا کہنا یاد تھا اُس کی تحریر ہمیشہ حرزِ جان تھی اور دل سے سمجھتا تھا کہ ظالموں نے کوئی جال پھیلایا ہے علاج اسکا یہی ہے کہ اُن کی پُہنچ سے دور رہا جائے۔ ہر چند اُس کے دوست اصرار کرتے تھے۔ ہر چند بلونا اور الفا کی طرف سے کنایتاً اصرار ہوتا تھا مگر وہ اپنے آپ کو ایک نہ ایک کام میں لگا لیتا تھا اور اس طرح سے بچ جاتا تھا۔ سلیم آفندی پاشا کو مشرقی دستہ کی کمان حاصل تھی۔ مشیر کے ہمجلیس بھی تھے اور الفا کے دوکان پر روزہی آیا کرتے تھے۔ کچھ تو وہ الفا سے بے تکلف اور کچھ الفا اُن سے ہو گئی تھی۔ چاء بھی پیتے اور ہنسی مذاق بھی ہوتا۔ جب اتحاد زیادہ ہو گیا تو آفندی صاحب کو چاء مفت ملنے لگی۔ غمزہ اور عشوہ اس کے علاوہ۔ وہ بھی روز بروز زیادہ مائل ہوتے گئے۔ ایک روز الفا نے فرصت پا کر کہا کہ کیوں اتنے روزوں سے آپ یہاں آتے ہیں۔ اگر کسی کا کوئی کام ہو تو وہ بھی آپ کر دینگے ۔؟

**آفندی** ” اگر آپ کا اپنا کوئی کام ہو تو مضائقہ نہیں۔ لیکن اَور کسی کا ہو تو کچھ کہتا نہیں “

**مس** ” جناب کام میرا ہی ہے لیکن عرض کرتے ڈرتی ہوں “

**آفندی** ” کیوں۔ کہو نا۔ ڈر کس کا اور کاہیکا “

**مس** ” ڈر یہی کہ موردِ عتاب نہوں “

ہر چند کہ الفا بہت کچھ بے تکلف ہو گئی تھی مگر ابھی تک ایسے الفاظوں کے کہنے کی نوبت نہیں آئی تھی۔ اُس کے اوپر الفا نے اَور یہ چرکا لگایا۔ آپکو شاید معلوم نہیں مجھے آپکی کس قدر خاطر منظور ہے۔

**افندی** "تو کہو نا مَیں تو کہتا ہوں"

**مس** "اگر آپ کو سُننا منظور ہے تو اِس جگہ سے علیحدہ کمرہ میں چلئیے وہاں چلکر عرض کروں گی"

افندی نے کہا بے داموں معشوقہ ہاتھ آتی ہے۔ چلو تو سہی دیکھو کیا کہتی ہے اُٹھ کھڑے ہوئے اور الفا بھی اُن کے پیچھے پیچھے۔ کمرہ کے اندر پہنچکر دروازہ کی چک گرادی اور دروازہ بھی احتیاطاً بند کرلیا۔ الفا نے معصوم صورت بناکر کہا افندی صاحب مَیں آپ کی نہایت ممنونہ ہوں کہ لونڈی کے کہنے سے آپ یہاں تک تشریف لے آئے۔ اِسکا شکریہ کہاں تک ادا کروں۔

**افندی** "مس الفا یہ تو کوئی بڑی بات نہیں"

**مس** "بڑی بات کیوں نہیں۔ آپ صاحب ثروت۔ میں محض ایک دوکاندار کی لڑکی کوئی حقیقت نہیں۔ آپ نے میرا کہنا مان لیا۔ میں آپکی حد سے زیادہ ممنون ہوں"

الفا نے چھنگلیا سے جڑاؤ ہیرے کی انگوٹھی نکال کر سامنے رکھدی۔ اور صرف یہ کہتی ہوں کہ اسکو بطور نشانی کے قبول فرمالیں۔ اور ہاتھ جوڑ کر سامنے کھڑی ہو گئی اور پھر قدموں پر گر پڑی اور کہا میں ہرگز نہیں اُٹھنے کی کہ جب تک آپ اِس کو نہ قبول فرمالینگے۔ افندی صاحب اِس سے زیادہ میری کوئی غرض نہیں۔ آپ میرے سرتاج ہیں۔ میرا ناچیز ہدیہ قبول فرمالیں۔ اگر آپ نے اِس کو قبول نہ کیا تو یقین مانیں (اوپر کی طرف مُنہ اُٹھاکر اور آنکھوں میں آنسو بھرکر) مجھ کو بڑا صدمہ ہوگا اور اُمید نہیں کہ اُس صدمہ سے جانبر ہوسکوں۔ افندی صاحب اوّل تو تھے لالچی انتہا درجہ کے دوسرے تعریف پسند۔ تیسرے ایک حسین اور کمسن اور وہ بھی مِس الفا جیسی عورت کا بادیدۂ پُرنم اس لجاجت سے کہنا۔ اور پھر کوئی غرض شامل نہ کرنی اگر اَور بھی کوئی ہوتا اُس کو بھی لینے سے انکار نہ ہوتا۔ اس ترس کے مقام پر اَور نہیں تو ترس ہی کھاکر اُس کا کہنا مان لیتا۔ اِسپر جوانی کا سر چڑھنا اور

کسی کا مخل نہونا معشوقہ مہتاب صفت جادو نژاد کا پیروں پر گرنا اور شامل کیجئے - کیا کیفیت ہونی چاہیئے - آفندی صاحب بیتاب ہو گئے - از خود رفتہ ہو کر دونوں ہاتھوں سے الفا کو اُٹھا کر اپنے سینہ سے لگا لیا اور نہایت پُر جوش لہجہ میں لیکن ایسی دھیمی آواز سے کہ جس میں لغزش ضرور تھی کہا - الفا - مجھ سے تم اپنے آپ کو اسقدر دُور سمجھتی ہو - میں تمہارا بے درم زر خرید ہوں - ایک ایک بوسہ دونوں رُخساروں اور پیشانی پر دیکر کہا "یہ بوسے میری محبت اور سچی محبت کی مُہریں ہیں - جب تک زندہ ہوں تم سے جُدا نہیں ہوں - تمہاری انگوٹھی میرے لیئے تمہاری نشانی ہوگی الفا جو کام مرد کرتے ہیں وہ تم نے کیا - نہیں معلوم تھا کہ میں تمکو کس قدر چاہتا ہوں اُس محبت کی گنجایش اس تنگ دل میں مشکل سے ممکن ہے جو محبت کہ مجھ کو تمہارے ساتھ حاصل ہے" - ایسی کامل فتح سے الفا اپنے دل میں اس قدر خوش ہوئی کہ بیان سے باہر - تمام وہ چہرہ کی اداسی دُور ہو کر ایک ایسی بشاشی سی چہرہ پر آگئی کہ جس کو وہ اپنی قدرت سے ہرگز چھپا نہیں سکتی تھی - ہمارے چرکس میاں آفندی سمجھے کہ یہ ہماری اظہار محبت کا نتیجہ ہے - حقیقت میں الفا مجھ پر فدا ہے - عورت مرد - آگ اور پانی ہوتے ہیں - اس کو کوئی بات بھا گئی ہوگی - خوشی کے مارے جامہ سے باہر ہو گئے - الفا کو کھینچکر اپنے زانو پر بٹھا لیا اور کہا الفا اب تو خوش ہو +

**الفا** "آپکی مہربانی ہے اپنی لونڈی کو بڑا ممنون کیا"

الفا نے اپنے دل میں کہا اچھا چند پھنسا ہے - اسی وقت اس سے عارف کا ذکر بھی چھیڑنا چاہیئے - مانے گا اور ضرور مانیگا - لیکن اس پیرایہ میں ہو کہ کام بھی بنے اور اُس کو پتہ بھی نہ لگے - کیونکہ موا بھونڈی عقل کا - کہیں کام بگاڑ دے اور یہاں جان کے لالے پڑ جائیں ÷

**الفا** "روسیوں کی آپ نے خوب گت بنائی کیسے بھاگتے نظر آئے"

**آفندی** "ہاں بھاگ تو گئے ہیں مگر پھر واپس ضرور آئینگے"

**مس** "تو اُن سے ڈرنا ہی کیا ہے - جیسے ایک مرتبہ بھگا لیا ہے ویسے ہی پھر بھی ممکن ہے"

**آفندی** "ہاں ممکن تو سب کچھ ہے"

مس ''آپ کو اس لڑائی سے کس قدر ہمدردی ہے''

آفندی ''میری جان تم سے کہتا ہوں۔ مجھ کو تو ترکوں سے مطلق ہمدردی نہیں''

مس ''کیوں''

آفندی ''کیونکہ میں تمہارا ہو چکا ہوں''

الفا مسکرائی۔ آفندی سمجھے کہ اسکو میرا چٹکلہ پسند آگیا۔ وہاں وہ سمجھ گئی کہ کتنے پانی میں ہے۔

مس ''ہاں۔ ترک کُشت و خون کے بڑے شائق ہیں۔ لیکن میرا اشارہ آپ جیسے کریم النفس بہادر کی طرف نہیں ہے''

آفندی ''میری طرف کیوں ہونے لگا۔ میں خود عیسائی نسل سے ہوں''

الفا سمجھی کہ اچھا چنڈول پھنسا ہے۔ اس سے ضرور کام نکلیگا''

الفا ''سب سے زیادہ صاحب لیاقت کون ہے''

آفندی ''اوّل مشیر اور بعد میں عارف بلا کا آدمی ہے''

الفا ''تو اُس کو بھجوا دو نا آگے کہ اُس کا خاتمہ ہو''

آفندی ''ہاں ساری ترقیاں وُہی ہضم کیئے جاتا ہے۔ کچھ مشیر کا ایسا مُنہ لگا ہے''

# پلونا کا دوسرا معرکہ

ایک ہفتہ کا زمانہ یوں ہی گذر گیا بیکاری کا وقت پہاڑ ہوتا ہے شغل اگر ہو تو دھیان تو اُس طرف بٹا رہتا ہے کچھ نہیں معلوم ہوتا۔ اِدھر دن چڑھتا ہے۔ اُدھر ڈھل جاتا ہے۔ صبح ہوتی ہے شام ہوتی ہے۔ مشیر کے لیئے دوسرے معرکہ کا صبح دوسرے دن کا صبح تھا۔ جو جو خرابیاں کہ اپنے انتظام میں پچھلے معرکے کے بعد معلوم ہوئیں اُنکی درستگی کا حکم دیا۔ بعض بعض مورچے جو قدرے منہدم ہو گئے تھے از سر نو درست کر لیئے۔ شمال کی طرف کچھ بلندی تھی اور جنوب کی طرف کچھ۔ ان دونوں جوانب میں اپنے توپخانے مقرر کیئے۔ مشرق اور مغرب کی طرف بھی دریا ہونے کی وجہ سے توپ خانہ سے فائدہ اُٹھانے کا خیال تھا۔ وہاں بھی ایک ایک توپ خانہ کی ماموری کا حکم نافذ کیا رسالہ والوں سے از سر نو تاکید کی کہ گشتی کے سوا اپنے فرائض منصبی سے نہ چوکیں اور جو کچھ کہ اُن کو غیر معمولی معلوم ہو اُس کو فوراً حاضر آ کر بیان کریں۔ مشیر کا ایک اصول یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مستعدی پہلی چیز ہے جس کا خیال ہر کوئی رکھنا چاہیئے۔ ادھر روس نے بڑی بھاری تیاری کی۔ فوج دوگنی کر دی گئی۔ پچھلا جنرل **سکالڈوف** معزول ہو کر جنگ سے واپس بلا لیا گیا۔ دوسرا **فیلڈ مارشل** جو اپنی حسن لیاقت میں اول سے زیادہ ممتاز تھا بھیجا اور اُس کی رائے یوں قرار پائی کہ ہمیں مختلف جوانب سے ایک ہی دفعہ میں حملہ کرنا چاہیئے۔ اور ہر طرف سے توپخانہ کی آڑ ہونی چاہیئے اور پہلا حملہ ہمارا اس قسم کا ہو کہ جس سے اُن کی قوت اُن جوانب سے جس طرف کہ ہم متوجہ ہونا چاہتے ہیں علیحدہ ہو کر دوسری طرف آ جائے۔ چنانچہ نکاپولی ہی میں جہاں کہ اُن کا کیمپ تھا۔ فوج کے تین حصہ کر لیئے۔ ایک رزرو جو ضرورت کے وقت کام دے۔ دوسرا چھوٹا حملہ کرنے والا یعنی چھیڑا پیچھے۔ اور تیسرا اصلی فوج جس کے ساتھ کہ **خود بدولت** نے روانگی کا قصد کیا۔ رزرو کو پلونا سے شمال مشرق اور شمال مغرب میں کوئی پانچ میل کے فاصلہ پر سیری اور بیٹرو مواضعات کے پیچھے قائم کیئے۔ ان کے آگے کوئی

تین میل کے فاصلہ سے توپخانے۔ اور چھیڑنے والی فوج کو حکم ہوا کہ ایک دستہ تو جنوب مشرق پلونہ سے گبروان کے قریب کہیں دریائے اسما کو عبور کر کے پلونا کی طرف حملہ آور ہو اور دوسرا دستہ جنوب مغرب سے ہمانی پول کے قریب دریائے وِد کو عبور کر کے پلونا کا قصد کرے۔ دستہ نمبر ۲ کا حملہ کوئی آدھ گھنٹہ پہلے ہو یعنی گیارہ بجے دستہ نمبر ۱ اور ساڑھے گیارہ بجے دستہ نمبر ۲۔ سیری اور پٹرو کے قریب کے توپخانجات دو گھنٹے تک یعنی ایک بجے تک خاموش رہیں۔ ایک بجے یہ چھیڑا فوج واپس آ جائے اُس وقت توپخانے اپنا عمل شروع کر دیں اور دونوں فوجیں شمال مغرب اور شمال مشرق سے ایک ہی دفعہ یعنی ٹھیک ۲ بجے ٹوٹ پڑیں۔ ناظرین کو معلوم ہوا ہوگا کہ فیلڈ مارشل کی تجویز کوئی ایسی معمولی تجویز نہیں تھی۔ ماہران فن ضرور اُس کی حسن لیاقت کے قائل ہوں گے مگر اس موقع پر اُس نے ایک غلطی سخت کی جس سے مشیر کو صاف معلوم ہو گیا کہ مطلب ان کا کچھ اور ہی ہے اور فیلڈ مارشل صاحب اپنی تدبیروں میں ناکام رہے ہیں ؛

عثمان کا دن رات یہی کام تھا کہ پلان تیار کر کے دشمنوں کے نقل مقام کا اندازہ کرے اور اپنے یہاں کا انتظام بھی اُسی کے مطابق مستحکم بنائے۔ دوربینوں سے دیکھتے ہوئے گھنٹے گذر جاتے تھے۔ مگر جو نتیجہ نکالتے اور جو عمل قرار دیتے اُسپر سبھی کا صاد ہوتا۔ وہ بات جو کسی کے خواب میں بھی نہیں آتی اُس کو بدیہہ کر کے سامنے رکھدیتے۔ اُن کو اس کام میں سوائے عارف کے کوئی اَور اس قدر مدد دینے والا نہیں تھا۔ زود فہم اسقدر کہ مشیر سے پہلے سمجھتا۔ تیز نظر اسقدر کہ چال سے دریافت کر لیتا کہ آیا یہ اصلی چال ہے یا بناوٹی۔ اور یہی وجہ تھی کہ عثمان نے پہلی لڑائی میں عارف کو اپنے ہی پاس رکھا اور اُن کا اُسکو اپنے پاس رکھنا بے سبب نہیں ہوا ؛

اُدھر الفا کے قہوہ خانہ میں سلیم آفندی کیا بے بُنیاد وعدہ وعید کر رہے ہیں اِدھر مشیر اور عارف دونوں مشغول ہیں اور رات اِسی کام میں مصروف ہیں۔ اُدھر سلیم آفندی بادلِ سرد رخصت ہو کر کیمپ میں آتے ہیں اور رات بھر الفا کے خیال میں غرق رہتے ہیں۔ اِدھر آیندہ معرکہ کی تجاویز میں رات بسر ہو جاتی ہے۔ حقیقت یہ کہ مشیر کو بڑا کام کرنا ہے۔ جب بڑی رات کو عارف سونے کے واسطے مشیر سے رخصت ہو نکلے

تو مشیر نے عارف سے خطاب کیا۔

**مشیر**" تم یہاں میرے ساتھ زیادہ مقید ہو۔ بہ نسبت میدان کے مگر آیندہ واقعہ کا معاملہ کچھ دگرگوں معلوم ہوتا ہے۔ میدان میں تمہارا یا میرا دونوں میں سے ایک کا ہونا لازمی ہے"

**عارف**" میں حاضر ہوں جہاں فرماویں"

**مشیر**" میرے خیال میں مشرق اور مغرب کی جانب سے سخت حملہ کا احتمال ہے تو تم کونسی جانب پسند کرتے ہو"؟

**عارف**" جو جناب پسند فرماویں"

**مشیر**" عارف اس وقت تو کہا نہیں جا سکتا ہے کہ کونسا موقع زیادہ ضروری ہوگا موقع کے وقت خیال رکھنا۔ میں خاص اشارہ کروں گا۔ سرخ مشرق کے لیئے اور سبز مغرب کے لیئے۔ اور گھبرانا مت۔ ان معرکوں میں ہمت بڑی چیز ہوتی ہے اور مرنا تو ایک روز اول ہے۔ آخر ہے تو مرنے سے کیا ڈر۔ اپنے اوسان خطا نہونے پاویں۔ عارف اب جاؤ۔ علی الصباح تیار ہو کر میرے پاس آنا۔ کوئی مشکل امر نہیں اطمینان رکھو اللہ نے فتح ہمارے نام لکھی ہے"

دوسرے دن کی صبح روتے ہوئے دن کی صبح تھی۔ ہر ایک درخت کی ڈالی جھکی ہوئی تھی۔ کچھ ترشح سا بھی ہو رہا تھا۔ زمین بھی پھسلنی ہو رہی تھی۔ اور ان سب باتوں کے علاوہ ایک ہیبت سی ہوا میں بھری تھی۔ پہلا حکم جو اس کیمپ میں پہونچا وہ یہ تھا کہ سب اپنی اپنی جگہوں پر موجود ہیں۔ کوئی اپنی ڈیوٹی سے غافل نہو۔ ہر چند کہ امن ہے لیکن ہر وقت روس کی آمد آمد کا دغدغہ ہے۔ اتنے میں عارف مشیر کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ چار دیگئی۔ آپ دوربین سے شمال کی طرف دیکھ رہے تھے۔ فرمایا:

**مشیر**" عارف یہ سیاہ سیاہ کیا نظر آتا ہے"؟

**عارف**" سرکار میرے خیال میں توپخانہ دشمنوں کا معلوم ہوتا ہے"

**مشیر**" بے شک۔ بھلا اندازاً توپوں کی کیا تعداد ہوگی"؟

**عارف**" یوں تو نہیں معلوم ہو سکتا ہے لیکن قیاس ہوتا ہے کہ دو ہزار ضربوں سے کم نہیں"

مشیر۔ دیکھو عارف انہوں نے شمال مغرب اور مشرق کا راستہ لیا ہے۔
یہ امور صرف مشیر ہی جیسے تیز فہم اور نکتہ رس لوگوں پر ظاہر ہو سکتے ہیں۔ ہم دال اگر تیز سے تیز دوربین سے بھی دیکھتے تو سوائے صفحۂ بے داغ کے اور کچھ نظر نہ آتا۔ عارف کو اگر کچھ معلوم ہونے لگا ہے تو یہ بھی انہیں کے فیض صحبت کا اثر ہے تھوڑی دیر کے بعد مشیر بولے۔ عارف ہمیں معلوم ہوتا ہے انہوں نے غیر معمولی تیاریاں کیں ہیں اور یہاں کا یہ حال ہے کوئی مدد کی اُمید نہیں معلوم نہیں ایا صوفیہ کی اس قدر فوج کیا ہو گئی۔ تار دے دے کر تھک گیا مگر کوئی نہیں سُنتا۔ عارف ہر چند کہ یہ ہماری قلیل تعداد دشمن کے چوچند کے لیئے مکتفی ہو مگر مدد کا آنا اور رسد کی بہم رسانی ایک بڑی بات ہوتی ہے۔ تم ابھی اسکا اندازہ نہیں کر سکتے۔ اتنے میں ایک سوار خبر لایا کہ ہمنے جنوب مشرق اور دوسرا کہ ہمنے جنوب مغرب کی طرف بعض رُوسی سواروں کو دیکھا ہے مشیر نے عارف سے خطاب کیا ہم دیکھتے ہیں کہ آج معرکہ آرائی ضرور ہوگی اچھا سب پاشاؤں کی خدمت میں حکم پہنچا دو کہ دریائے وِدا اور دریائے آسما کے مورچے خوب تیار رکھیں جوان زیادہ کرنے کی ضرورت نہیں اور توپوں سے رینج کا اندازہ پہلے سے کر لیا جائے۔ لیکن توپ ابھی مطلق چلائی نہ جائے۔ عارف نے کہا اگر سرکار اجازت دیں تو ایک بات یہ کر دیجائے کہ دونوں دریاؤں کی طرف وہ جانب جسپر حملہ ہونیوالی کے بعد شمالاً اور جنوباً ہٹ جائے اور جنوب والے مع اُن کے حملہ کرنیوالوں کے پیچھے آجائیں۔

مشیر۔ تمہاری سمجھ اچھی ہے۔ عارف ایسا ہی انتظام کیا گیا ہے۔ لیکن کوئی ایسا آدمی ہوتا کہ اسکو کر دکھاتا۔

عارف۔ میرے خیال میں اس تمام کالم میں خلیل آور ابراہیم لفٹنٹ سے زیادہ جانباز اور ہوشیار شاید ہی کوئی ہو۔

اس وقت کاغذات جو مشیر کے سامنے پہلے پڑے تھے انہوں نے اٹھا کر دیکھے اور ذرہ غور کے بعد عارف سے خطاب کیا۔ عارف وہ دونوں جانب غرب ہیں اور مشرق کی طرف ایک اور شخص ہے حامد نام جس سے میں خود واقف ہوں لیکن یہ تو ہوا ان طرفوں کی بابت ہمنے شمال اور شمال مشرق اور مغرب کی طرف کیا کیا

ہے۔ ہاں عارف یہ چھپے ہوئے کاغذ ایک سوار کے ہاتھ دیکر تمام مشرق اور شمال اور مغرب میں تقسیم کرا دو۔ ان پر چند ہدایتیں تھیں۔ اول۔ بلندی نمبر ۱ اور بلندی نمبر ۲ کے لوگ معرکہ آرائی کے وقت ذرا صبر سے کام لیں۔ اور جب تک دوسرا بگل نہو فایر شروع نہ کریں۔ دوسرے نشیب نمبر ۱ اور نشیب نمبر ۲ کے لوگ پہلے بگل پر فایر شروع کر دیں لیکن بعد چند والی کے ہٹ جاویں۔ اگر بگل کی آواز دفعتاً خاموش ہو جائے تو دستہ مشرق کے ساتھ شریک ہو جائیں اور نہیں تو دستہ مغرب کے ساتھ اور چند ہدایتیں اسی قسم کی اُس میں درج تھیں۔ عارف فوراً اُن کو باہر لے آیا اور ایک سوار کے حوالہ کر کے کہا کہ ہر ایک نان کمیشن افسر کے حوالہ کرنا۔ اور خبردار کوئی خالی نہ رہجائے۔ ان حکمتوں سے ہر ایک جانب کو مستحکم کر لیا۔ اب بیٹھے ہی تھے کہ مغرب کی طرف سے ایک گولے کی آواز آئی۔

**مشیر** " لو لڑائی شروع ہو گئی مگر ایک گولہ کی آواز کیسی ضرور کوئی دھوکا ہے "

**عارف** " بے شک یہ پہلی چھیڑ ہے۔ غرض اُن کی یہ معلوم ہوتی ہے کہ ہماری قوت منتشر ہو جائے "

**مشیر** " ان باتوں سے کیا ہوتا ہے "

تھوڑی دیر نہیں گزرنے پائی تھی کہ سارا جنوب مغربی قطعہ روسیوں سے بھرا ہوا نظر آنے لگا۔ یہ نہیں معلوم ہوتا تھا کہ کس طرح سے یہاں چلے آئے ہیں اور کہاں سے نکل پڑے۔ چھپ چھپ کر رینگ کر آگے بڑھتے تھے۔ ایسا نہو کہ معلوم ہو جائے اور پہلے سے چونک پڑیں۔

اِدھر مشیر غور سے دیکھ رہے تھے کہ معاملہ کیا ہے۔ توپیں صرف دو۔ اُس باغ کی آڑ میں معلوم ہوتی ہیں اور جنوب مشرق کی طرف نگاہ کرتے ہیں تو اُدھر بھی کچھ ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔ شمال کی طرف اور شمال مشرق و مغرب کی طرف بالکل خاموشی ہے جو سیاہ دھبے سے پہلے نظر آتے تھے وہ بھی غایب ہیں۔ مشیر نے عارف سے کہا دیکھو انہوں نے ہمکو چھیڑا ہے یہ اصل حملہ نہیں۔ اتنے میں ایک اَور توپ کی آواز آئی جو بعینہ پہلی توپ کی سی آواز تھی اور اُسی باغ سے نکلی۔ اتنے میں ایک اَور آواز آئی جس کا دُھواں باغ کے دوسرے سرے سے منتشر ہوتا ہوا معلوم ہوا صرف

ڈو توپیں ہیں تو شمال کی طرف کوئی خطرہ نہیں - ایک سوار کو نع ایک دستہ سوار ان ہوشیار سبک رفتار شمال کی طرف سے جانب مشرق بھیجکر دریافت کرو کہ اُنکی اصلی طاقت حرکت میں ہے کہ ابھی خاموش ہے - اتنے میں رُوسی جنوب مغرب کی طرف سے ٹوٹ پڑے - آڑ آڑ آکر نشیب ہی کے مقام پر زبردست حملہ کیا اور اس حملہ کا کل فورس وہیں جمع ہوگیا - اسی طرح سے چند والی کے بعد عثمانی مورچہ وہاں سے نقل کرکے اپنی شمالی اور جنوبی قوتوں کے ساتھ مل گیا - راستہ پاکر یہ اور آگے بڑھے - یہاں دریائے وِد کے توپخانہ اور شمالی اور جنوبی رایفلوں نے بچیس دھر لیا - سب کام آتے - ایک نہ پھرا - یہ ادھر ہو ہی رہا تھا کہ جنوب مشرق کی طرف بھی اسی انداز سے چھیڑ شروع ہوگئی وہاں کے مورچوں نے بھی یہی عمل شروع کیا - دو رگوں کے بچیں آگئے - یہاں تو نہایت زور شور کے ساتھ جنگ گرم تھا - ملک الموت کو بڑا کام پڑ گیا تھا اُدھر نکاپولی کی جانب سے اصلی قوت کی حرکت شروع ہوگئی ؛

**مشیر** - عارف اب کوئی شبہ نہیں ہے تم شمال کی طرف چلے جاؤ - خاموشی سے پڑے رہو - اپنی موجودگی کو محسوس ہونے ندو - میرے خیال میں بڑا زور اُن کا شمال مغرب کی طرف ہوگا اور کوشش یہ کرینگے کہ یہ دونوں فورس اکٹھے ہو جائیں - اس میں کوئی شبہ باقی نہیں ہے - ہمنے سُنا ہے کہ ٹرنووا ابھی اُن کے قبضہ میں آگیا ہے تو اس سے یقین واثق ہے کہ دریائے وِد کے پار ہو کر وہ ہمارے مقابلہ کو آئینگے تو عارف تم جاؤ اور خیال رکھو کہ ہماری افواج میں بے ترتیبی نہونے پائے ؛

عارف کو یہ پہلا ہی موقع تھا کہ جنگ میں مقابلہ کیواسطے جاتے تھے - یہ قاعدہ کی بات ہے جس علم کا تجربہ نہو اُسکی باتیں زیادہ پُر اثر طور پر دماغ میں واقع نہیں ہوتیں - عارف جانے کو چلا تو گیا مگر اسکو کچھ نہیں معلوم تھا کہ کیا کروں - ہر وقت اپنے معبود سے دُعا مانگتا تھا کہ کیا کریں یا اللہ تو ہی بتلانے والا ہے - میری اور عثمان کی عزت اور مسلمانوں کا صفحۂ ہستی پر رہنا تیرے ہی اختیار میں ہے - یا الہ العالمین - تو جس نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا ہے - تُو جس نے دنیا کا سارا کھیل کھڑا کیا ہے - خوب میری حالت اور میری لیاقت سمجھتا ہے - تُو جانتا ہے کہ میں کس کام پر مامور ہوں اور اس کام کے انجام دینے کی قابلیت مجھ میں کہاں تک ہے ؛

عارف کا دل صاف تھا اور اُس سے ایسا کام ہونیوالا تھا کہ جس سے مشیر کے بعد وُہی ممتاز ہو۔

سلیم افندی ایک طرف پڑے ہوئے تھے آلفا کے پاس اِس قدر شیخی مار کر آئے تھے۔ کہ ضرور عارف کو میدان میں لانے کی کوشش کروں گا اور مشیر سے یوں عرض کروں گا اور یوں ضرورت جتلاؤں گا۔ مگر نہ اُن کو اسقدر عرض کرنے کی جرأت تھی اور نہ اُن کو عرض کرنے کا موقعہ ملا۔ ایک طرف رزروگارڈ کے اہتمام پر مامور تھے اور اُن کے لیئے یہی اچھا تھا۔ ورنہ معلوم نہیں کوئی رنگ لاتے حقیقت یہ کہ مردم شناسی کا خاتمہ مشیر پر تھا۔ اِس کیمپ میں اگرچہ افسر ہزاروں ہی تھے لیکن وہ ایک ایک سے فرداً فرداً بخوبی واقف تھے اور سپاہیوں تک سے آگاہ سے کہ کون کون کس کس کام کے لیئے موزوں ہے۔ سلیم افندی کو اسی کام کے لیئے موزوں سمجھا۔

اَب ہر طرف سے شعلہ بھڑک اُٹھا۔ مشیر کی طرف سے عارف کو سرخ اشارہ بھی آگیا۔ اب اصلی گولہ باری بھی شروع ہوگئی۔ توپوں پر توپیں چلتی تھیں۔ گولے پہ گولے آتے تھے اور جاتے تھے۔ یہاں تک کہ گولے آپس میں ہر دو جانب سے آآ کر ٹکراتے اور بیچ ہی میں رہجاتے۔ بندوقوں کی باڑھوں کا یہ انداز تھا کہ جیسے پٹاخے چھوٹتے ہیں۔ سوائے دُھواں دُھوں اور ہائے وائے کے اَور کچھ سُنائی نہیں دیتا تھا۔ روسی مارشل نے یہاں ایک اَور اُستادی کی کہ ایک گارڈ کو مثلث کی شکل میں ترتیب دیکر دھاوا بولدیا۔ مگر واہ رے عارف اور تائید ایزدی عارف کے ہمراہ۔ ایک سیکنڈ کے عرصہ میں اس کو یوں سُوجھی کہ توپ کے سامنے انہیں دھر دو۔ اور ایک طرف سے بندوقوں سے لیلو۔ جیسے ہی پہلے مورچے کے اندر داخل ہوئے اور دوسرے سے گذرنے کو ہی تھا کہ اِدھر سے بندوقوں نے اور اُدھر سے توپوں نے دھر لیا۔ فیلڈ مارشل بھی میدان میں کام آئے۔ جس قدر کہ فوج عثمانیہ مورچہ کے اندر داخل ہو چکی تھی۔ وہ تو غارت ہوگئی دشمنوں میں ہیبت چھاگئی۔ بھاگ نکلے۔ ہر طرف سے توپیں بند ہوگئیں۔ رسالہ کا تعاقب شروع ہوگیا۔ کیسے جی چھوڑ کر بھاگے جیسے اُن کے سوا اپنی جان کسی کو

پیاری نہیں۔ رسالہ تین میل تک تعاقب میں گیا۔ پھر واپس چلا آیا کیونکہ یہاں اتنی گنجایش بھی نہیں تھی اور حضرت رسانی کی طمع بے سود تھی۔ اب زخمیوں کو ہسپتال میں بھیجنا اور مُردوں کو دفن کرنا شروع کر دیا۔ رُوس کے دس ہزار آدمی کام آئے اور اُنکے پانسو ۔ رُوس کے قریب بیس ہزار کے زخمی ہوئے اور ان کے زخمیوں کی تعداد بھی کوئی پانچہزار ہوگی۔ بہت سے زخمی تو اُٹھاتے ہی اُٹھاتے راہی ملکِ بقا ہوئے جو بچے وہ ہسپتال بھیجے گئے۔ شہر میں بھی مریض خانہ کا اہتمام کیا گیا۔ اس رُوس کی لڑائی دُنیا کی تاریخ میں ایک بھاری یادگار ہے۔ فیلڈ مارشل رُوس کا کوئی معمولی آدمی نہیں تھا اور تدبیر بھی اُسکی معمولی نہیں تھی۔ اور فرطِ جوش سے خود شریک کارزار ہوا۔ اسی تدبیر سے نپولین نے تمام عالم کے فتح کرنے کا قصد کیا تھا۔ اور اسی تدبیر کی بدولت اسکا مسلمہ بن گیا تھا کہ میری بڑھتی ہوئی فوج کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اسی تدبیر سے جہاں اُس نے اپنا رُخ کیا سب دقتیں کافور ہو گئیں۔ اور وہ تدبیر کیا تھی کہ تھوڑی ہی لڑائی کے بعد دھاوا بول دیا جائے۔ اس مقابلہ کی تاب کوئی نہیں لا سکتا۔ لیکن **ڈیوک آف ویلنگٹن** نے باوجود گرانڈ گارڈ کی سرگرمی کے کوارٹی براس پر کیسی شکست دی۔ حقیقت یہ کہ جنگ میں اور ایسے ہی اَور تمام کاموں میں ایک موقع ہوتا ہے جس نے اُس درجہ تک صبر کیا اور ثابت قدمی اور حوصلہ کو اپنے ہاتھ سے نہیں جانے دیتا اُس کو فتح نصیب ہو جاتی ہے۔ مشیر کے یہ فن یہی اُصول تھے اور عارف کو بھی انہیں اصول کی تعلیم تھی۔ چنانچہ عارف اس موقعہ پر میدان میں بھیجے بھی اسی غرض سے گئے تھے کہ کہیں ایسا نہو کہ لوگ دل ہار دیں اور تمام محنت برباد جائے۔ چنانچہ عارف نے اپنا حق ادا کیا۔ جب عارف مشیر کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ تو

**مشیر** ۔ عارف۔ تم نے بڑا کام کیا۔ اگر میں خود بھی ہوتا تو اس سے زیادہ نہیں ہو سکتا تھا۔"

**عارف** ۔ آپ ہی کے فیض فیضان کا اثر ہے اور تائید ایزدی کا"

**مشیر** ۔ جس طرح سے کہ فیلڈ مارشل نے اہتمام کیا تھا کہ جنوب مغرب اور جنوب مشرق سے اوّل چھیڑ چھاڑ ہو اور پھر شمال مشرق سے زور کا حملہ ہو اور خود شمال مغرب سے مثلث کی شکل میں ٹوٹ پڑیں۔ یقین ہے تو عارف اگر اس پلان کی خبر پہلے بھی ہو جاتی تو پھر بھی اس

زور کا روکنا مشکل ہو جاتا ہے۔ ہمیں تو امید تھی کہ آج کا معرکہ ہمارے ہاتھ آ سکے گا۔ اگر یہاں سے زندہ واپس پھرے تو خاص **بارگاہ عالی** میں اس امر اور تمہاری اس جانبازی اور مردانگی کا ذکر کیا جائیگا۔"

**عارف** " کچھ اللہ ہی کا فضل شامل حال تھا ورنہ میرے ہاتھوں سے ایسے امر صعب کا اہتمام ہونا ناممکن تھا۔"

**مشیر** " عارف اب تمہارے سپرد یہ کام ہے کہ خستہ مورچوں کو درست کراؤ اور کل جمعہ کی نماز کے بعد ایک جوش دلانے والا خطبہ پڑھو۔ ہمارے آدمی کچھ دل ہارے چلے جاتے ہیں۔ سچ ہے۔ رسد ٹھہر چلی۔ مدد پہنچی نہیں۔ معلوم نہیں **راضی پاشا** کیا ہو گئے اور اُن کی ایک لاکھ جمعیت کیا ہوگئی۔ اگر اُن کا سامان اور قوت ہمارے پاس ہوتا تو کیا نہ کرتے۔ مگر معلوم نہیں خدا کو کیا منظور ہے۔ ہمارے مسلمان کیوں ایسے ڈھیلے ہو گئے۔ خیر عارف اِن باتوں سے رنج ہوتا ہے تم اپنے فرائض منصبی سے غافل نہ ہو۔ جو کچھ بھی کہ ہم سے ہو سکتا ہے کر دکھا دیں۔ مسلمان اگر پسپا ہیں تو اُن کے اپنے نفس کا فتور ہے۔ اُن کی اپنی ارادت اور عقاید کا قصور ہے۔ اس سے نفس اسلام پر کوئی حرف نہیں آتا۔"

**عارف** " سرکار **بارگاہ عالی** کی خدمت میں تو تار دیں۔"

**مشیر** " عارف۔ تاریں دیتا دیتا تو تھک گیا ہوں۔ اُمیدیں بہت دلائی جاتی ہیں۔ مگر ظہور اُن کا کچھ نہیں ہوتا۔ آج چار روز کا عرصہ ہوا۔ حضرت سلطان نے خود فرمایا تھا کہ راضی پاشا کو لکھا گیا ہے کہ اپنا نصف سامان اور نفر جسقدر جلدی ممکن ہو آپکے پاس بھیج دیں۔"

**عارف** " تو اُس کا کوئی اثر ظہور میں تو نہیں آیا۔"

**مشیر** " شاید کوئی نتیجہ ہو۔ مگر معلوم نہیں ہوتا وہاں کیا ہو رہا ہے۔ راضی پاشا کو کیا ہو گیا ہے کوئی پتہ نہیں۔ میں اگر اُن کی جگہ پر ہوتا تو ایک لاکھ کے چار لاکھ بنا سکتا تھا۔ ابا صوفیہ جیسی جگہ کے قرب و جوار میں تقریباً ترک ہی ترک۔ اور کیا اُنکی اسلامی حمیت سرد ہو گئی ہے۔ عارف ہمیں اُمید نہیں کہ مسلمان ایسے بے غیرت ہوں کہ اخوت اسلام کو بھول جائیں۔"

**عارف** ” ٹرنووا - سیلومی - اڈرویل - درانٹزا پر رُوسی تسلط ہو گیا ہی“
**مشیر** ” عارف - یہی تو مشکل امر ہے - کچھ سمجھ میں نہیں آتا - کہ یہ ہوا کیونکر - اتنی بڑی فوج پاس - سارا ملک دوست اور جان دینے کے لیئے تیار ہو - اور رُوس یکے بعد دیگرے یہ سب مقامات فتح کر لیں - کیا وہ رُوسی جنرل اُن سے زیادہ باہمت اور صاحب لیاقت ہوں گے جنہوں نے پلونا پر حملہ کیا اور فرض کرو کہ اگر اُن سے کچھ اَور نہیں ہو سکتا تھا تو اتنا ہو سکتا تو ضرور ممکن تھا کہ ہمیں اطلاع دیتے - عارف کوئی اندرونی فساد ہے یا کوئی راز ہے - ورنہ پلونا کانٹا سا کھٹکتا رہے اور ارد گرد تمام رُوسی تسلط ہو جائے - افسوس کہ ہم خود تباہ ہوتے ہیں - مگر عارف خبردار کیمپ میں ان باتوں کی خبر نہ ہونے پاوے“
**عارف** ” جناب مَیں رنج میں جناب کا شریک ہوں - اگر متحد رہتے تو فتح ظفر کی بابت سوچتے - اب تمام دنیا کو یہ بتلا دینا ہے کہ اِن لوگوں نے اپنی شومئی اعمال کی وجہ سے کچھ نہیں کیا - ہر چند کہ اسلام میں بہت بڑی قدرت حاصل ہے - اگر زندہ رہے اور غلام ہو کر زندہ رہے - اگر ہمارے کام اپنی تن آسانی تک محدود رہے تو اِس زندگی پر تف ہے“ ؛

# اَوُر حالات

اس جگہ یہ بیان کردینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ روس کی کارروائی اس وقت تک کیا ہوچکی تھی۔ اور مسلمان پاشاؤں نے اپنے فرائض منصبی کیونکر ادا کیئے تھے۔ ایک پلونا عثمان کی وجہ سے عثمانی دبا ہوا باقی رہ گیا تھا اور تمام بلگیریا میں روسی چھاگئے تھی اور روس پر بھی وہ جوش غروش کے نرغہ ہوتے تھے کہ الامان والحفیظ۔ اباصوفیہ کے قبضہ سے نکلنے کی وجہ یہ ہوئی کہ راضی پاشا روسی جنرل سے مل گئے تھے اور اُنکے باہمی کچھ عہد وپیمان ہوچکے تھے۔ اپنے مطلب کی خاطر حیف اپنے ذاتی نفع کی خاطر اور وہ بھی کس قدر ذلیل۔ اُمیدوں ہی پر منحصر۔ کچھ روپیہ کی طمع ہوگی اور اس سے زیادہ کیا ہوسکتا ہے۔ اور ممکن ہے کہ اُن کی اُمید پوری نہو کیونکہ وہ شخص جو اپنی قوم کے ساتھ اپنے خون جگر کے ساتھ دھوکا کرتا ہے اُس کی وفاداری دوسرے کے ساتھ کب صادق آسکتی ہے۔ راضی پاشا کو کیا ملیگا کہ جس کی خاطر اُنہوں نے تمام یورپ کی اسلامی سلطنت کا خاتمہ کردیا۔ تمام مسلمانوں کو تباہ کردیا۔ کیا اُن کو عروج ترکی سلطنت کے ساتھ نہیں تھا۔ اور کیا اب اُن کو زیادہ عروج ہوجائیگا۔ دھوکا دینے والا۔ دغا کرنے والا۔ خصوصاً وہ جو اپنے گھر کو تباہ کرکے آپ سیر دیکھے وہ کبھی سرسبز نہیں ہوتا ہم آگے دیکھیں گے تو ہمیں معلوم ہوجائیگا کہ راضی پاشا نے اپنے ہاتھوں اپنی تباہی خریدی۔ نہ اِدھر کے رہے نہ اُدھر کے ہوئے ۔

داماد پاشا۔ لبیک پاشا۔ محمود پاشا اور رضوی وغیرہ وغیرہ جن کو دبیر سلطنت کہنا چاہیئے اُنہوں نے اس قدر غفلت سے کام لیا کہ اُن کی غفلت بھی بے سبب نہیں ہوسکتی۔ اگر آرام طلبی اُن کا خاصہ ہو تو بھی آرام طلبی کا یہ اقتضا نہیں ہوسکتا کہ برابر مصیبتیں واقع ہوں۔ سلطان بار بار چیخیں اور اصرار کریں اور اُن کو دم دلاسا دے کے خاموش کیا جائے اور اسطرف کچھ نہو۔ اپنی طرف سے خاموشی یا بے حسی اور سلطان کی فریاد کہئے یا اصرار کے جواب میں ایسی باتوں سے اُن کو سمجھا تا کہ وہ

خاموش ہو رہیں۔ اُن کی بڑی ڈیوٹی سمجھ میں یہ آتی ہے کہ جھوٹ سے یا افترا پردازی سے جس طرح سے ممکن ہو اعلیحضرت خاموش رکھے جائیں۔ اُنہیں معلوم نہ ہو کہ اصل واقعہ کیا ہے۔ لیکن ایسی باتیں ہمیشہ چھپی نہیں رہتی ہیں۔ آخر کار اُن کو بھی معلوم ہو گیا کہ یہ لڑکوں کی طرح سے ہمیں بہلاتے ہیں۔ مگر افسوس کہ معلوم اُس وقت ہوا کہ کچھ نہیں کیا جا سکتا تھا۔ انہوں نے اپنے دوست سفراء فرانس اور انگلینڈ سے رائے دریافت کی کہ اس موقع پر کیا کرنا چاہیئے۔ حقیقت یہ کہ انگلش ہیں صداقت پسند دوستی ہو یا دشمنی یہ تو خیر دوستی کا موقع تھا۔ صلاح اگر دینگے تو وُہی جو اپنے نزدیک اچھی ہو اور اسی وجہ سے انگلش کو یہ سب کچھ عروج حاصل ہے۔ جہاں اَور لوگوں کا تعصب کام دیتا ہے وہاں ان کی بہی خواہی اور راست گفتاری۔ دونوں سفیروں نے افسوس کر کے جواب دیا کہ ہم مدد دینے کے لیئے تیار ہیں۔ آپ وزارت تبدیل کر دیں۔ ہر چند کہ ایشیا کوچک میں اور تمام یورپین ٹرکی میں رُوس آگیا ہے لیکن ہمکو اُمید ہے کہ ہم انگلش اور فرنچ دونوں اسی بات کی کوشش کرینگے کہ پہلی حالت پھر واپس آجائے ؛

**حضرت** ؛ عثمان کو کسی طرح سے مدد پہنچ سکتی ہے ؟

**سفراء** ؛ ہم سب عثمان کی تعریف کرتے ہیں۔ ایسے آدمی یورپ میں کم ہیں اور یہ سُن کر اَور بھی خوش ہوتے ہیں کہ آپ کو اُس کی قدر منظور ہے۔ ہمکو نہایت افسوس ہے کہ عثمان کو کوئی مدد کسی قسم کی نہیں پہنچ سکتی۔ سب جگہ رُوس کا تسلط ہو گیا ہے۔ اسقدر دشوار گذار زمین طے کرنی اور روس کا مقابلہ کر کے مدد دینا ناممکن معلوم ہوتا ہے۔ کچھ تھوڑا ہی عرصہ باقی ہے کہ رُوس یہاں بھی آیا چاہتا ہے۔ اب تو ہمارے خیال میں مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ تمام یوروپین پاورز سے مدد مانگی جائے اَور کوئی سبیل نہیں ہو سکتی ؛

اعلیحضرت کا رنگ یہ سُن کر تمتما اُٹھا اسلامی جوش رگوں میں حرکت کرنے لگا حیف دست نگر ہوں اگر پہلے سے معلوم ہوتا تو خود صف آرا ہوتے اور اس وقت عثمان جیسے شیر میدان کو مدد دیتے یا خود بھی پیوندِ خاک ہو جاتے۔ مگر اب کیا ہو سکتا ہے جب کہ امر اختیاری نہیں رہا۔ ناچار سفراء کے کہنے پر چلنا پڑتا ہے۔ اور یہ سفیر

دشمن نہیں ہیں۔ دوست ہیں۔ نیک صلاح دیتے ہیں۔ ان کی رائے کے موافق کاربند ہونا مناسب معلوم ہوتا ہے۔"

**حضرت** "بیشک مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اَور طاقتوں سے التماس کیجائے اور ہمکو آپ کے اوپر بہت بھروسہ ہے آپ ضرور ہماری مدد کرینگے۔"

**سفیر انگلش** "ہم سچے لوگ ہیں۔ دغا فریب سے کام نہیں۔ راست گفتاری اور نیک اعمالی ہمارا شیوہ ہے۔ ہم سے جو کچھ ہوسکیگا کرینگے اور اُمید واثق ہی ہے کہ فرینچ گورنمنٹ بھی آپ کا ساتھ دیگی۔"

**سفیر فرانس** "بیشک جو کچھ خدمت کہ ہمسے ہوسکیگی ہم کرنے کو موجود ہیں۔ سلطنت کی حالت نازک ہے۔ دوست دشمن اسی وقت پہچانے جاتے ہیں۔ آپ کچھ فکر نکریں۔ ہم لوگ سچے عیسائی ہیں۔"

ممکن ہے کہ اس لفظ میں مُسلمانوں کی طرف طعن نہو۔ مگر اعلیحضرت نے اسکو ایسا ہی سمجھا اور اُن کی آنکھوں میں پانی بھر آیا مگر ضبط کیا۔ اور سفرا سے کہا آپ مہربانی فرماکر مسودہ تیار کر دینگے۔"

**سفرا** "ہم حاضر ہیں۔ لیکن مسودہ اگر آپ خود تیار فرما دیں تو مناسب ہوگا۔"

**حضرت** "وہ ہماری ہی طرف سے ہوا سمجھیں۔ آپ دوست ہوکر ہمارے فائدہ کی طرف غور فرما دینگے۔ اور میرا دماغ تو منتشر ہو رہا ہے۔"

**سفرا** "اچھا تو ہم اپنے رسائل اپنی اپنی گورنمنٹ کے پاس بھیجتے ہیں۔ آپ کو وہ رسائل دکھلا دیئے جاینگے۔"

دونوں سفیروں نے ایک ہی مضمون کے خط اپنی اپنی گورنمنٹوں کے نام لکھے مضمون اُن کا یہ تھا:۔

"سلطنت ٹرکی کی اب آخری نوبت ہے۔ رُوس کے قبضہ میں سب کچھ آچکا ہے اب ہمکو بھی دخل دینا لازمی ہے ورنہ ایک پُرانی سلطنت کا صفحہ ہستی سے ضایع اور نابود ہوجانا ایک نہایت ہی افسوسناک مقام ہوگا اور اس سے جو اثر کہ اَور سلطنتوں پر آکر واقع ہوں گے وہ ضرور غور طلب ہیں۔ ہمنے سلطان کی ملاقات کی۔ وہ نہایت ہی بے بسی کے عالم میں ہیں اور ہماری امداد کے خواستگار ہیں۔ اس موقع پر اُنہیں ممنون کرنے میں

ہمارا زیادہ صرف نہیں ہے۔ سلطان کی دوستی سے ہمکو بہت فائدہ ور
اگر اِس وقت ہمنے اُن کی مدد کی تو وہ فایدے اپنے ہیں۔ اور اگر کچھ سمجھکر
تو وہ ضرور روس کو منتقل ہو جائیں گے اور بجائے فایدے کے ہمکو مضرت کا احتمال
ہوگا۔ ضرور اس عرضداشت پر غور فرمایا جاوے اور سلطان کی مدد اس حالت میں بہمہ وجوہ
ہمارے اوپر لازمی ہے"۔

# مس الفا کی دوکان

اِدھر لڑائی ختم ہوئی اُدھر الفا کی دوکان پر ہجوم شروع ہوگیا۔ چار۔ سکرٹ کا ایک بہانہ تھا۔ اصل مقصد تو کچھ اَور ہی تھا۔ اِس مرتبہ الفا نے دوکان پہلے کی نسبت زیادہ شان سے چمکائی۔ ظاہراً فتح اور ظفر کا اظہار مطلوب تھا۔ سارا وہ حصّہ تماشا ء چراغاں بن رہا تھا۔ جگہ جگہ پر کرسیاں دھری تھیں۔ کہیں کہیں چھوٹے چھوٹے خوش نما میزوں پر تازے گلدستے دھرے تھے اور اُس سے بھی زیادہ پُر لطف یہ بات تھی کہ لبونا نے سرخ لباس زیب تن کیا تھا اور الفا نے سبز بٹنوں میں ایک ایک دو گلاب کی کلی لگا رکھی تھی۔ اور آس پاس سے کوئی نو نو دس دس برس کی چند لڑکیاں حسین خوبصورت پری جمال جمع کر کے ایک راگ چھیڑ رکھا تھا۔ مسٹر کالیگرو وائولن بجاتے تھے اور مسٹر ہاورڈ کلیورنٹ۔ ان لڑکیوں کا لباس بھی رنگ برنگی تھا۔ اور ایک تان سے ایک آواز ہو کر جو گاتی تھیں تو مومن خاں کا یہ شعر یاد آجاتا تھا ؎

اُس غیرت ناہید کی ہر تان ہے دیپک
شعلہ سا چمک جائے ہے آواز تو دیکھو

الفا نے جو آواز بلند کی اور کہا "مبارک ہو ظفر تمکو" تمام لڑکیوں نے اُسی آواز کو اُسی لہجہ سے ایک ساتھ کہا "مبارک ہو ظفر تمکو" اور یہ ختم نہیں ہونے پایا تھا کہ الفا نے اُس کا دوسرا مصرعہ بھی ذرا آب و تاب کے ساتھ کہا "سدا ایسی سحر تمکو" مسٹر کالیگرو اور ہاورڈ باجوں سے تان لگاتے تھے اور بار بار اسی کو دُہراتے تھے۔ عجب لطف دیتا تھا۔ کسی نے پوچھا اِس کے اَور شعر کہاں ہیں۔ جواب میں الفا تڑسے کہتی ہے یہ خانہ ساز ہے اَور بنٹے دیئے ہیں۔ اس پر تو ایک قہقہ لگا۔ پھر کہا:۔

شعلہ ہائے تپ دل آگ لگاتے کیوں ہو
(اُسی انداز سے)
گر ہو دل سوز میرے مجھکو جلاتے کیوں ہو

جن سے منظور وفا ہی ہو جفا بھی اُن پہ
مجھ سے کچھ کام نہیں ہے تو ستاتے کیوں ہو
کھول دو وعدہ کہ تم پردہ نشیں ہو نہ وصال
آپ چھپتے ہو چھپو بات چھپاتے کیوں ہو

آلفا نے کہا کہ آج کا روز خوشی کا ہے۔ چاء اور سگرٹ مفت دیئے جائیں۔ ہمارے غازیوں نے فتح حاصل کی ہے۔ اَور خانہ ساز سنیئے۔

جن سے منظور سلجھنا ہے سلجھ لو اُن سے
تمکو جھگڑے کی پڑی ہے تو ستاتے کیوں ہو

یہ سُننا تھا کہ سب کے سب پھڑک اُٹھے اور فرمائش ہوئی کہ ایک اَور ایسا ہی

مرد میدان اگر داغ لگاتے کیوں ہو
جس سے پرخاش اٹھو پیٹھ دکھاتے کیوں ہو

واہ ! واہ !! تمام حاضرین نے ایک زبان ہو کر کہا :۔

اتنی فرصت کہ ترے پیچھے لگائیں تالی
خوب جانا ہے ہمک کر بھلا آتے کیوں ہو

آلفا نے حاضرین جلسہ کی طرف خطاب کر کے کہا کہ اَور ایک نیا راگ سُناتے ہیں اور اُس کے لیئے اہتمام یہ کیا کہ موٹے سر والے پہلے ایک مصرع پڑھیں اور باریک سُر والے دوسرا۔ پھر دونوں ملکر دونوں مصرعوں کو ادا کریں۔ اور باجا بجانے والے دونوں اسی طرح سے تان لگائیں :۔

| | |
|---|---|
| الحمد لواھب العطایا | اس شور نے کیا مزہ چکھایا |
| والشکر لصانع البرایا | جس نے ہمیں آدمی بنایا |
| احسان ہیں اُس کے کیا گرانبا | مُنہ فتح کا جس نے ہے دکھایا |
| راضی ہیں رضا پہ اُس کے وکیا | موقوف مناظرہ مرایا |

اس کو کچھ اِس لہجہ میں اور اس آب و تاب کے ساتھ ادا کیا کہ تمام حاضرین سے واہ واہ کی صدائیں بلند ہوئیں۔ کچھ اَور دیر تک محفل راگ و رنگ کی جمی رہی اور سب تحسین و آفرین کرتے رہے۔ اس میں وقت بہت کچھ گزر چکا تھا۔ اب کیمپ کو بھی

جانا تھا۔ لڑائی کا موقع ہوا اور اس طرح سے غافل رہنا موزوں نہیں خیال کیا جاتا۔ سب کیمپ کی طرف چلے آئے۔ جب کوئی نہ رہا تو مس آلفا۔ بلونا وغیرہ وغیرہ ایک جگہ جمع ہو گئیں۔

**مسٹر ہاورڈ**:۔ "مس الفا آج تو تم نے غضب ہی کر دیا۔ سارا کیمپ جمع تھا"

**بلونا**:۔ "اس سے بھی زیادہ ایک اور غضب کیا۔ یہ تو اس کے آگے کوئی چیز نہیں"

مس آلفا نے یہ سُن کر نیچی گردن کر لی۔ کچھ محجابانہ اور کچھ فخریہ کنکھیوں سے اِدھر اُدھر دیکھتی جاتی تھی اور دل میں خیال آتا تھا کہ اُس رات کے واقعہ کی طرف اشارہ نہو۔

**مسٹر ہاورڈ**:۔ "انہوں نے سلیم آفندی کو اپنا کر لیا"

**بلونا**:۔ "جی ہاں اب دیکھیئے کیا کیا گُل کھلتے ہیں۔ حقیقت میں وہ بات تو میسر نہ آئی جو مراد تھی۔ لیکن اس آفت کی پرکالہ نے آخر عارف کو میدان میں بھجوا ہی دیا۔ وہاں ہماری قسمت کی کمی کہ اُس سے اَور کارہائے نمایاں ظہور میں آئے۔ اب سوال یہ حل طلب ہے کہ کرنا کیا چاہیئے"

**ہاورڈ**:۔ "موقع تو ہاتھ اچھا لگا ہے۔ سلیم آفندی اپنا ہو گیا ہے۔ اِس سے بہت کام نکلینگے"

**بلونا**:۔ "ہاں مانا کام نکلینگے لیکن کام نکالو گے کیونکر۔ کام نکالنے کی بھی تو کوئی صورت ہونی چاہیئے"

**ہاورڈ**:۔ "یہ صورت تم نکالو۔ یا آلفا سے پوچھو۔ ہمارے موٹے خیال میں تو کچھ نہیں آتا"

**الفا**:۔ "دیکھو ابھی کیا ہوتا ہے۔ ذرا چند سے اَور وقت گزرنے دو۔ مَیں نے ہمہ تن اپنے جان و تن کو آپ کے کام میں تصدق کر دیا ہے۔ انشاءاللہ کوئی صورت ضرور نکالوں گی"

**بلونا**:۔ "اس وقت نہ نکالو گی۔ تو پھر کس وقت"

یہ گفتگو اِدھر ہو رہی تھی کہ اُدھر سلیم آفندی نے دستک دی۔ انہوں نے کہا "اب یہاں سے ٹلجانا ہی اچھا ہے۔ الفا کو اکیلا چھوڑ دو۔ پھر دیکھینگے کیا ہوتا ہے"

**الفا**۔ "آ بیٹھیے۔ آپ کے انتظار میں تو آنکھیں پتھرا گئیں"

سلیم:۔ "کیوں میں تو یہاں ہی موجود تھا۔ تمہاری تمام راگنی سُنا کیا"۔
الفا:۔ "کیمپ واپس نہیں گئے"؟
سلیم:۔ "تمہارے ہی فراق میں رہ گیا۔ آج باتیں کچھ نہیں ہوئیں"۔
سلیم کو تو کچھ تکلف بھی تھا۔ الفا نے بالکل بے حجاب سلیم کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیکر اپنی طرف کھینچ لیا اور کہا کہ اس تمام عرصہ میں تمہارا ہی فراق رہا۔ کیا عرض کروں۔ تم اُدھر چلے جاتے ہو اور یہاں میں تڑپا کرتی ہوں۔ آجکی رات یہیں رہجاؤ۔ دل کھولکر باتیں کرینگے۔ مرد کی طرف بس اشارہ ہونا چاہیئے۔ دونوں ہم آغوش ہوگئے۔ سلیم نے کہا الفا تمنے اپنے ہجر میں خون رُلایا ہے۔ دیکھو تمہارے ہی مارے تو یہاں رہ گئے۔ کیمپ سے غیر حاضری کی۔ اب خدانخواستہ معلوم ہوجائے تو جان پر آبنے۔
الفا:۔ "اگر یہ بات ہے تو جاؤ۔ ہمیں تمہاری عافیت منظور ہے"۔
سلیم:۔ "نہیں الفا اب تمہیں چھوڑ کر کہاں جاؤں گا۔ اگر سو جان بھی ہوں تو وہ بھی اس وقت تمہارے اوپر سے قربان۔ مجھے یہ گوارا نہیں ہوسکتا کہ تمکو یوں چھوڑ کر چلا جاؤں"۔
الفا:۔ "مجھے خوف آتا ہے کہ شبیر کو خبر نہ ہوجائے"۔
سلیم نے الفا کو اپنے سینے سے لگا کر اُس کے رُخساروں کو بوسہ دیا اور کہا میری جان خوف مت کرو۔ یہ وقت خوف کا نہیں ہے۔ اسکو غنیمت سمجھو۔ پھر اس کا میسر آنا محال ہے معلوم نہیں جیتے رہیں یا مریں۔ الفا کو عشق تو تھا ہی نہیں عارت کی خاطر دم دے رہی تھی۔ اس صریح بے تکلفی سے جھجکی۔ اور سلیم کا اس پُرجوش لہجہ میں اپنی محبت کا اعتراف اچھا نہیں معلوم ہوا۔ اگر سلیم کچھ انتظار کرتے تو ساری باتیں الفا ہی کی طرف سے ہوجاتیں مگر جلدی نے یہ خیال الفا کے دل میں پیدا کر دیا۔ لیکن پھر بھی کہ اگر میں اس سے علٰحدہ ہوتی ہوں تو بنا ہوا کام بگڑتا ہے۔
الفا:۔ "کس قدر مجھکو آپ کا پاس محبت ہے۔ کچھ آپ ہی اُس کا اندازہ کرسکتے ہیں"۔
سلیم:۔ "آپ کی مہربانی ہے۔ جس قدر میں غور کرتا ہوں اور اپنی طرف دیکھتا ہوں یہی معلوم ہوتا ہے کہ مجھ میں کوئی صفت ایسی نہیں جس سے کہا جائے کہ سلیم کو آپ کی محبت کا دعویٰ ہے لیکن یہ دل ہے جو گرفتار ہے"۔

الفا نے اپنے دل میں کہا کہ اِس کا تو پہلے ہی سے اعتراف ہے لیکن ظاہرا کچھ چہرہ پر اوداسی پیدا کر کے ۔

**الفا** " یہ کیا آپ کہتے ہیں۔ اپنی صفتیں کبھی اپنے آپ کو معلوم ہوئی ہیں۔ آپ کی سج دھج۔ آپکی قطع وضع کچھ ایسی ہیں جو پہلی ہی ملاقات میں اثر پذیر ہیں "

سلیم تعریف پسند تو تھے ہی۔ اتنی بات سُن کر پھولے نہ سمائے اور اپنے دل میں کہا کہ ہوگی کوئی شے جس پر اسکی طبیعت آگئی ہے۔ ورنہ کوئی کسی پر کاہیکو مرتا ہے۔ اور اسکے حرکات سکنات۔ گفتگو اور چین پیشانی سب سے محبت ٹپکتی ہے۔ ضرور کوئی بات ہے۔ لیکن الفا سے کہا۔

**سلیم** " آپ کی مہربانی ہے "

الفا نے دل میں کہا کہ اب بہت ہو چکی ہے۔ اس روانی کو اَور طرف رجوع کرنا چاہئے ورنہ یہ مردوا تو گلے پڑ جائے گا۔ اپنے آپ کو پری جمال ہی سمجھنے لگا ہے۔

**الفا** " آپنے عارف کو خوب میدان میں بھیجا۔ ہر چند کہ اپنے مقصدوں میں ناکام رہے وہ دوسری بات ہے۔ مگر جو آپ کے کرنے کا کام تھا وہ آپ نے کیا۔ اَور کیا کیا جا سکتا تھا "

سلیم نے اپنے خیال میں کہا کہ یہ سمجھتی ہے کہ سب کچھ میرا کیا ہوا ہے اسکو اسی غلطی میں رہنے دینا چاہیئے۔ سچ ہے راست گوئی اچھی نہیں۔ موقع موقع کا خیال لازمی ہے ؛

**سلیم** " یہ یقین مانو تمہاری خاطر تھی۔ کوئی پہلو اُٹھا نہیں رکھا۔ ایک مرتبہ مشیر اپنی زبان سے کہہ چکے تھے کہ عارف ہمارے ساتھ رہے۔ مَیں نے کہا سرکار نرغہ اِس دفعہ کا معمول سے زیادہ سخت ہے۔ ایسا غضب بھی نکریں۔ کسی صاحب لیاقت کا خاص میدان میں ہونا ضروری ہے۔ میرے مُنہ کو عارف تکتا تھا گویا کہ اُس کی سمجھ میں نہیں آتا ہے کہ مَیں کیا کہتا ہوں۔ عثمان نے بھی غور سے میری طرف دیکھا مَیں نے کہا۔ ایسا نہ ہو۔ یہ میری آنکھوں سے تاڑلیں۔ مَیں نے آنکھیں اپنی نیچے کیطرف کرلیں اور فقرہ چل گیا۔ یقین مانو الفا۔ اگر اُس وقت یہ نہ کہا جاتا۔ تو ہرگز عارف کا جانا ممکن نہیں تھا۔ اور اُس کے اوپر ایک چرکہ لگایا یعنی مشیر کی تعریف کرتا اور ساتھ ہی

میں عارف کی بھی حُسن لیاقت کا ذکر لے آتا۔ اُس نے اِتنا تو ضرور کیا کہ مشیر کے روبرو عارف کی وقعت زیادہ کردی۔ لیکن ہمارا بھی کام نکل آیا۔

**الفا** "لیکن جو مراد تھی وہ تو حاصل ہی نہ ہوئی"

اس "لیکن" کے لفظ سے سلیم چونک پڑا۔ سمجھا کہ شاید کوئی اعتراض کرتی ہے سچ ہے جھوٹے کو خوف ہی لگا رہتا ہے کہ کہیں افشائے راز نہ ہو جائے۔

**سلیم** "یہ وقت کی بات ہے۔ اگر چلکے نہیں ہوا تو اَب کے سہی۔ کیا رُوسی بھاگ گئے ہیں۔ یا کیا ہم"

**الفا** "اگر اَب کی دفعہ بھی ایسے ہی نامراد رہے۔ تو ؟"

**سلیم** "یہ سُوءِ ظن اچھا نہیں۔ اگر ہمکو ہماری مراد مل گئی تو خاتمہ نہ ہوگیا قصہ کا"

**الفا** "نہیں ہر ایک تدبیر کے لیئے لازمی ہے کہ بُرے پہلو سب سے پہلے سوچ لیئے جائیں اور اُن کا مداوا بھی ڈھونڈھ لیا جائے ورنہ وقت کی وقت پر کوئی تدبیر نہیں سُوجھتی ہے۔ اس لیئے دریافت کرتی ہوں کہ اگر عارف پھر بھی سلامت آیا تو کیا کروگے ؟"

**سلیم** "الفا۔ اگر کہو کہ میں اپنے ہاتھوں سے اُس کا قاتل بنوں۔ تو اس کے سوا کوئی بات نظر نہیں آتی"

**الفا** "خود قاتل بننا تو جان بوجھکر اپنے آپ کو مَوت کے پنجہ میں ڈالنا ہے لیکن اگر کوئی تدبیر راست نہ آئی تو کیا ہم آپ سے یہ اُمید نہیں کرسکتے"

آخر آدمی کا دل کافر اسقدر گرمجوشی سے تسکی ہو ہی جاتا ہے۔

**سلیم** "اُمید کی اگر پوچھو تو ایک جان چھوڑ تمہارے اوپر سے سَو جان سے بھی قربان ہونے کو تیار ہوں۔ مگر یہ تو کہو کہ اُس نے اس قدر دُشمنی کی کوئی ضرورت بھی۔ یہ ہمیں ضرور بتلا دو"

الفا یہ سُنکر سر بگریبان ہوئی کہ یہ اچھا سوال کیا۔ اب بھلا اس کا جواب کیا۔ خواہ نخواہ کسی سے دشمنی ہو یہ ہو نہیں سکتا۔ عارف جیسے نیک نہاد آدمی نے کسی کا نقصان کیا ہو یہ ناممکن۔ اگر جواب اس کا ہے تو یہی ہے کہ سچ کہکر اپنے نفس اور طبیعت کا اندازہ کرا لیا جائے۔ کوئی بات تو بن نہیں سکتی۔ الفا نے اس سوال کے جواب سے بچنے کا ایک اَور طریقہ نکالا۔ اور وہ اس قدر کارگر ہوا۔ کہ جس نے تقریر کا میلان ہی بدل دیا اور

بے ساختہ سوال کیا۔

**الفا**:۔ آفندی صاحب۔ آپ سچ کہتے ہیں۔ آپ کو ہماری محبت ہے۔ اپنا تو قسمیہ یہ حال ہے کہ کوئی وقت ایسا نہیں ہوتا جو آپ کی صورت اِن نظروں سے غایب ہوتی ہو۔ اور جس وقت آپ آجاتے ہیں وہ عجیب ہی مسرّت کا وقت ہوتا ہے۔ کہاں کوئی اندازہ کر سکتا ہے۔ تمام جسم میں ایک کپکپی سی آجاتی ہے۔ اگلی پچھلی باتیں سب بھول جاتی ہیں۔ یہ بھی سمجھ میں نہیں آتا۔ کہ کیونکر خطاب کروں۔"

**سلیم**:۔ ایمان کی قسم۔ تمہاری جان کی قسم۔ بعینہ یہی حالت میری ہوتی ہے۔ کوئی لمحہ ایسا نہیں ہوتا کہ تم بھولتی ہو۔ ہائے الفا کچھ نہیں بیان کیا جا سکتا کہ تم کس قدر مجھکو عزیز ہو گئی ہو۔ تمہارا غلام ہوں۔ جس طرح سے چاہو پیش آؤ۔ جو کام چاہو لو۔ مگر صرف اتنا کرو کہ اپنے روبرو آنے دیا کرو اور ذرا ہنس کر بول لیا کرو۔"

**الفا**:۔ اچھا سلیم۔ لڑائی ختم ہونے کے بعد پہلا کام تمہارا کیا ہوگا۔ اگر میں یہاں رہی تو۔؟

**سلیم**:۔ لڑائی ختم تو ہو۔ وبالِ جان ہو گئی۔ اور کس عذاب میں پھنس گیا ہوں۔"

**الفا**:۔ ختم کرنا تو اپنے اختیار میں ہے بشرطیکہ تم چاہو۔"

**سلیم**:۔ میری طرف سے تو کل کو ختم ہوتی آج ہی ختم ہو جائے۔ مجھکو عثمانیہ سلطنت سے کوئی ہمدردی۔ جاتی ہو جائے۔ اور نامناسب بھی تو معلوم ہوتا ہے۔ مُسلمان ایک کونہ یورپ کا دبائے بیٹھے ہیں۔ تمام ترقیوں کے مانع۔ عیسائیت کے سدّراہ۔ ہاں وہ تو کہو میرے اوپر کیا انحصار ہے۔ میں کیا کر سکتا ہوں۔ مجھ کو تم سے کچھ دریغ نہیں۔"

**الفا**:۔ یوں ہی میں نہیں بتلانے کی جب تک قسم نہ کھالو گے۔"

**سلیم**:۔ قسم کیا کھلاتی ہو۔ کھلالو۔ میں تمہارے کام سے تو باہر کبھی ہوں ہی نہیں۔"

**الفا**:۔ کام میرا اکیلی کا نہیں ہے۔ تمہارا بھی کام بن جائیگا۔ لیکن پہلے قسم کھالو۔"

سلیم لٹو تو ہو ہی رہے تھے۔ اپنے آپ کو عیسائی نسل سے بھی بتلا چکے تھے۔ الفا کا جادو اثر کر گیا تھا۔ جو جو کچھ الفا کہتی گئی۔ کہتے گئے۔"

**الفا**:۔ ابھی اطمینان نہیں مصحف شریف کو درمیان لاکر قسم کھاؤ۔"

اس سے بھی سلیم آفندی کو کوئی دریغ نہیں ہوا۔ ہر طرح سے الفا نے اپنا

اطمینان کرلیا۔ اب سوچتی ہے کہ کس طرح سے شروع کروں۔ اتنے میں سلیم نے کہا:۔
**سلیم**"بھلا میرا کام کیا بنے گا"
سلیم انتہا سے زیادہ خود غرض تھا۔ اس وقت اُس کو اپنے مطلب کی پڑی تھی کہ میرا مطلب کیا ہوگا"
**الفا**"تم مجھے چاہتے ہو؟"
**سلیم**"چاہتا ہوں"
**الفا**"جان و دل سے"؟
**سلیم**"جان و دل سے"
**الفا**"مواصلت کی آرزو ہے"؟
**سلیم**"غایت درجہ کی"
**الفا**"تو میں تمہاری ہو رہوں گی"
**سلیم**"مجھ کو شادی کے لیئے قبول کرلوگی"؟
**الفا**"بلاشبہ اس شرط سے کہ ترکی گورنمنٹ کو خراب کرنے میں ہر طرح سے کوشش کرو لیکن یہ بھی یقین رہے کہ اگر کسی نہج سے پہلوتہی کی تو وہ آپ کے لیئے اچھا نہ ہوگا"
**سلیم**"میں۔ اور پہلوتہی کروں گا"
**الفا**"نہ۔ یہ غرض نہیں۔ اب تم ہمارے معاملات میں ہو گئے ہو شریک۔ اس لیئے اپنے قانون سے بھی آگاہ کردینا لازمی ہے اور وہ یہ ہے کہ ہم میں کوئی اگر اس فرض منصبی میں تساہل یا تغافل کرے گا۔ اُس کے لیئے سزائے موت ہے۔ اور اپنے وعدوں اور قسموں سے تم ہماری سوسائٹی میں اب داخل ہو چکے ہو۔ لہذا یہ سمجھ لینا چاہیئے۔ کہ کبھی غفلت نہ کرنا"

افسوس ہے کہ ایسے ہی مسلمانوں نے سلطنت عثمانیہ کو ننگ سلطنتہائے یورپ بنا دیا تھا۔ یہ بھی کوئی مسلمانی شیوہ ہے۔ کوئی عیسائی اپنی عیسائی سلطنت کے لیئے ایسا کرسکتا ہے۔ کسی نے آج تک یورپین تواریخ میں دیکھا ہے یا سُنا ہے کہ کسی نے اپنے ہی ہمجنس کے ساتھ ایسی دغا کی ہے۔ اگر روس فتحیاب ہوں اور اُن کو معلوم ہو جائے کہ سلیم اس قسم کا آدمی ہے تو کہو سلیم کے لیئے کوئی مفاد کی صورت ہو سکتی ہے"

سلیم۔" مجھ سے کبھی غفلت نہیں ہونے کی اس شرط پر کہ تم مجھ سے ملو۔ اگر تم سے بھی مفارقت ہوئی تو اپنے آپے ہی سے غایب ہو جاؤں گا۔ پھر کیا مدد کر سکتا ہوں۔"

اس وقت الفا خوشی کے مارے اپنے آپے سے باہر ہوگئی اور سلیم کے گلے میں ہاتھ ڈالکر خود سلیم کے رخساروں پر بوسہ دیکر کہا۔

الفا۔" افندی صاحب۔ یہ سب کہنے کی باتیں ہیں۔ آپ کے سوا دوسرے کی طرف اپنی نگاہ کر سکتی ہوں۔ تمہارا جادو میرے اوپر چلگیا ہے۔ اب میں بے بس ہوں طبیعت تو یہ چاہتی ہے کہ ان لوگوں کو بھی یہیں چھوڑکر تمہارے ساتھ کہیں نکل چلوں جہاں ہم دونوں ہونگے میرے لیئے تو وہی جگہ بہشت ہوگی۔"

سلیم۔" اور میرے لیئے بھی۔ تمام خوشیاں تمہارے اوپر محمول ہیں۔"

الفا۔" ہاں ذرا لڑائی ہولے (ذرا غور کے بعد) روسی جنرل سے ملکر ان کو اندر آنے کا راستہ کیوں نہیں دیدیتے۔"

سلیم۔" یہ ناممکن ہے۔ کیا مشیر کو بے مصرف نکارا آدمی سمجھ لیا۔"

الفا۔" اچھا تو میگزین تک سرنگ پہنچا کر اوڑا دو۔"

سلیم۔" یہ ممکن ہو شاید۔ میں اپنی تعیناتی اُس جگہ کراتا ہوں۔ اور میگزین بھی شہر کے متصل ہی۔"

الفا۔" تو کب؟"

سلیم۔" موقع محل دیکھکر بیان کروں گا۔"

# جاسوس

یہاں تو الغا کے ہاں سلیم آفندی وعدہ وعید کر رہے تھے۔ وہاں مشیر اپنی تیاریوں میں لگے تھے۔ ادھر الغا کی دشمنی عارف سے منتقل ہو کر سلطنت عثمانیہ کی تباہی اور بربادی تک پہنچ گئی تھی۔ اُدھر عارف اور عثمان با دلِ حزین تدبیریں سوچ رہے تھے ادھر اسلامی نقش مٹانے کی فکریں تھیں۔ اُدھر مسلمانوں کے ننگ و ناموس کا پاس تھا کس کے دم سے ایک عثمان کے۔ غریب بے یار و مددگار۔ جس کے اعلےٰ افسر قہوہ خانہ کی عورت کے عشق میں چند بن کر دغا بازی۔ افترا پردازی۔ فتنہ انگیزی کے اوپر کمر باندھ رہے تھے۔ عثمان کی حالت نازک تھی کسی طرف سے امداد کا سہارا نہیں۔ اپنے ہی دوست دشمن اور چاروں طرف سے وفور نا اُمیدی۔ کوئی چارہ گر نہیں۔ بجز ذات واحد۔ مگر واہ رے عثمان۔ حالت تو یہ۔ اور اپنی ڈیوٹی پر اس قدر ثابت قدم۔

**مشیر**: "عارف۔ مورچہ درست کرنے کا کیا انتظام کیا"

**عارف**: "جتنے آدمی دستیاب ہو سکے سب کو کام پر لگا دیا ہے۔ اس وقت بیس ہزار آدمی کام کرتے ہیں اس طرح پر کہ چار چار گھنٹہ کے بعد ایک دوسرے کو ریلیو کریں میں نے کام کا خود معائنہ کیا ہے۔ خاطر خواہ ہو رہا ہے"

**مشیر**: "مزدور تمہارے عیسائی اور مسلمان دونوں ہوں گے"

**عارف**: "دونوں"

**مشیر**: "میں عیسائیوں سے بدظن نہیں۔ لیکن ان کو ہمارے ساتھ ہمدردی بالکل نہیں"

**عارف**: "نگہداشت کافی ہے۔ اور عیسائی اسی شہر کے ہیں۔ کوئی خوف کی جا نہیں۔ اور اگر کام پر صرف مسلمان ہی لگائے جائیں۔ تو ایک عشر (۱/۱۰) کام کا بھی ہونا محال ہے"

**مشیر**: "ہاں آبادی زیادہ عیسائیوں کی ہے۔ اچھا اگر اس انداز سے کام ہوتا ہے

کتنے روزوں میں کُل مرمت ہو چکیگی اور اُن کی مضبوطی کا کیا اندازہ ہوگا"

**عارف** "چار شبانہ روز میں کام تیار ہو جائیگا - اور ہر ایک مورچہ دو شبانہ روز کی گولہ باری کو بہت اچھی طرح سے برداشت کر سکیگا"

**مشیر** "یہ طمانیت بخش ہے - مگر سخت نگرانی کی ضرورت ہے" (اتنا کہکر مشیر کچھ سوچنے لگے)

**عارف** "اگر سرکار مناسب سمجھیں تو ایک دو جاسوس بھیجدیئے جائیں اور میں نے سُرنگوں کا نقشہ تیار کیا ہے - کل ملاحظہ کے لیئے پیش کیا جائیگا"

**مشیر** "عارف میں اسی بات کو سوچ رہا تھا - تو کن کو بھیجیں - میں سمجھتا ہوں کہ تمہارے دوست خلیل اور ابراہیم دونوں کام دیں گے - اور یوں بھی اچھے لوگ ہیں - مگر مجھے انہیں کا جانا مناسب معلوم ہوتا ہے - یہ ضرور کچھ کرکے آئینگے"

**عارف** "میں اِن سے خوب واقف ہوں - دونوں دوڑنے میں فرد - بھیس بدلنے میں لاثانی - گانے بجانے میں طاق - اور اسپر طرّہ یہ کہ معاملہ فہم اس قدر کہ نگاہ سے پہچان لیں کہ دل میں کیا ہے - حقیقت یہ ہے کہ اِن سے زیادہ اور کوئی شخص اُن کے لیئے مناسب نہیں معلوم ہوتا - اگر جناب کے سامنے بھی بھیس بدل کر آجائیں اور مانگنے والے فقیروں کا لباس اختیار کرکے ایک ڈفلی اور دوسرا ایک دو تارا لیکر حضور کے روبرو کھڑے ہو جائیں تو یقین تو ہے کہ حضور غور سے دیکھ کرکے بھی نہیں پہچان سکینگے - اُن کا جسم اُن کے قابو میں ہے اور اُن کی آواز بھی اُن کے اختیار میں"

**مشیر** "اچھا عارف تو تمہی جا کر اُنہیں بُلا لاؤ - کسی سوار کو بھیجنا میں مناسب نہیں سمجھتا لیکن اس طرح لاؤ کہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہونے پائے"

**عارف** "بہت بہتر - ایسا ہی ہوگا"

عارف مشیر کے پاس سے رخصت ہو کر خلیل اور ابراہیم کے خیمہ میں پہنچے - یہ دونوں گویا عارف کے منتظر ہی بیٹھے تھے - گودوں میں اُٹھا لیا -

**خلیل** "تمہاری جان کو تو یار ہم رو چکے تھے"

**ابراہیم** "ہم نے کہا - عارف نے قسم کھالی ہے ملنے کی"

**عارف** "یار ہم تو وُہی تمہارے خادم ہیں"

ابراہیم ۔" یہاں وہ رنگتیں اُڑتی ہیں شہر میں "

خلیل ۔" اندر کا اکھاڑا ٹوٹ پڑا ہے "

ابراہیم ۔" اور تمہیں خبر نہیں ہوتی "

عارف ۔" بھائی صاحب۔ اسلامی درد کا اقتضا ہے۔ کہ رات کیا دن کیا ہر وقت کام میں مصروف ہیں "

خلیل ۔" تمہاری مقبولہ اب تو کسی اَور ہی کی ہو رہی "

ابراہیم ۔" اب ہماری تو اُدھر گذر بھی نہیں۔ دُور ہی دُور سے آنکھ سینک لیتے ہیں "

خلیل ۔" مگر چار اور سکرٹ خوب اُڑاتے ہیں "

ابراہیم ۔" دیکھنا تو یار کچھ موٹا بھی ہو گیا ہوں "

عارف سے رہا نہ گیا۔ کھل کھلا کر ہنس پڑے اور کہا تم تو یاران مست الست ہو۔

خلیل ۔" اور تمکو کچھ خیال نہیں "

ابراہیم ۔" میاں حریف کا بھی خیال نہیں "

عارف ۔" ہاں سچ تو کون ذات شریف ہیں "

خلیل ۔" ہم نہیں بتلانے کے۔ ہماری ملاقات کا وعدہ کرو تو "

ابراہیم ۔" ہوں۔ سلیم آفندی پاشا۔ ایسی بات چھپایا کرتے ہیں "

عارف نے کہا این گل دیگر شگفت۔ اور ایک خیال کے غوطہ میں چلے گئے۔ خبر نہیں رہی کہ میں کہاں ہوں اور کیا ہوں۔

خلیل ۔" میاں لٹو ہیں "

ابراہیم ۔" رات بھی وہیں رہے "

عارف کے کانوں میں یہ آوازیں ٹناٹن پڑتی تھیں لیکن کوئی خبر نہ تھی۔

خلیل ۔" تمہارے سر کی قسم سچ ہے "

عارف ۔" ہاں۔ ذرا میرے ساتھ آتے نہیں "

ابراہیم ۔" کہاں لیچلو گے "؟

خلیل ۔" آلغا کے پاس۔ اَور کہاں "

عارف ۔" تم یار ہمیشہ زندہ دل ہو۔ ایک کام ہے نہایت ضروری اور بتلانیکی ممانعت

صرف اتنا پتا دینا ہوں کہ اسلامی کام ہے"

**ابراہیم**" تو ہم نہیں جانتے"

**خلیل**" اور یہاں کیا کر رہے ہیں"

**عارف**" بس یار اب دِلگی مت کرو۔ بتلانے کی ممانعت ہے۔ سُنو گے تو خوش ہو گے۔ مشیر نے بُلایا ہے۔ میں تمہارا دوست ہوں۔ کوئی اچھی ہی بات ہوگی"

عارف کے ساتھ دونوں ہو لیئے۔ راستہ میں خلیل نے ابراہیم سے کہا کہ عارف کا سا بامروت دوست صادق ہونا کا ہیکو ممکن ہے۔ اپنے عروج میں دوستوں کے بغیر اس کا جی نہیں بھرتا۔ اب مرتبہ کا اگر خیال کیجیئے تو کجا ہم اور کجا عارف۔ مگر نہیں۔ ہمارے ساتھ ویسے ہی جیسے وادین پر تھے۔ اتنے میں مشیر کا خیمہ آگیا۔ سب خاموش ہو گئے عارف نے اندر اطلاع دی کہ حاضر ہیں۔ حکم ملا کہ فوراً بلالو۔

**مشیر**" تمہاری عارف بڑی تعریف کرتے ہیں"

**خلیل**" اُن کا حُسن عقیدت ہے۔ حضور کے خادم ہیں"

**مشیر**" تمکو معلوم ہوگا کہ ہمیں ایک سخت کام کی ضرورت ہے اور اُس کو تم ہی دونوں انجام دیسکتے ہو اور تمہاری حمیت اسلامی سے ہمکو اُمید ہے کہ بجان و دل کوشش کرکے اُس کو پورا کروگے۔ ہر چند کہ مَیں تمہارا فیلڈ مارشل ہوں لیکن مُسلمان ہونے کے لحاظ سے ایک تمہارا بھائی ہوں اور اس وقت اوسی اسلامی درد پر عمل کرکے تم سے کہنا چاہتا ہوں کوئی حکومت منظور نہیں۔ اگر تم اس کام کے قابل اپنے آپ کو نہ پاؤ۔ یا کسی وجہ سے کرنا منظور نہو تو اُسی سادگی سے میرے روبرو بیان کرسکتے ہو جس طرح سے کہ تم عارف سے بےتکلفانہ گفتگو کرتے ہو۔ مجھے ہرگز بُرا نہیں معلوم ہوگا۔ اور میں نے تمکو عارف کی معرفت خاموشی کے ساتھ اس لیئے بُلایا ہے کہ مجھ کو احتمال ہوتا ہے کہ ہمارے اسی کیمپ میں بعض اسلامی نام لیوا ایسے ہیں جن کو اسلام اور فرائض اسلام سے کافی ہمدردی نہیں۔ تو اس کی نسبت معافی چاہنے کے بعد میں تم سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ دو جاسوسوں کی ہمیں سخت ضرورت ہے ایسے کہ وہ جاویں روسی کیمپ میں دو تین روز تک رہیں اور جہاں تک ممکن ہو سارا حال پوست کندہ لیکر آئندہ معرکہ سے دو ایک روز پہلے آکر بیان کردیں۔ کام مشکل ہے اور خطرہ بہت ہے۔ اگر مطلب ظاہر

ہو گیا تو قتل سے انتہا۔ کیا منظور ہے"

**خلیل و ابراہیم**"۔ جناب منظور ہے۔ جنگ میں کسی ظالم کے زور سے نہیں آئے۔ اسلامی ہمدردی کا اقتضا تھا۔ ہماری ماؤں اور بہنوں اور بزرگوں نے خوشی خوشی رخصت کیا۔ جس روز روانہ ہوئے بجائے رنج کے انہوں نے خوشی ظاہر کی۔ اللہ کی درگاہ میں فتح و ظفر کی دعائیں مانگیں اور اسلامی سلطنت۔ اسلامی ہیبت اور اسلامی جلال کا صدقہ ہمیں بنا کر اللہ کی راہ میں یہاں بھیجدیا۔ ہمیں زندگی ہرگز مطلوب نہیں تا وقتیکہ ہماری جانوں کے ضایع ہونے سے اسلام کو تقویت پہنچے۔ ہم اسلام کی راہ میں فدا ہیں۔ اسلام ہمارا ایمان ہے۔ ہمیں اسلام کی زندگی مطلوب ہے اپنی بے ایمان زندگی مطلوب نہیں۔ ہم خوش ہیں کہ سرکار اس کام کے لائق ہمکو سمجھتے ہیں"۔ یہ پرجوش آوازے ایسے دل سے بلند ہوئے جس میں اسلام بھرا ہے جو نام کے مسلمان نہیں اور جن کے پرتاثیر کلمات مشیر کی آنکھوں میں بھی آنسو بھر لائے۔

**مشیر**"۔ شاباش۔ جزاک اللہ۔ رب یسر و لا تعسر۔ اچھا تو آج دوسرے معرکہ کا دوسرا دن ہے۔ آج رات کو اگر روانہ ہو تو کس لباس میں جانا مناسب ہوگا"۔

**خلیل**"۔ فقیروں کے لباس میں یعنی بے لباس جامہ عریانی کے ساتھ"۔

**ابراہیم**"۔ ایک ایک ستار لیکر"۔

**مشیر**"۔ اچھا مناسب ہے دیکھو لواٹنز جانب جنوب اور نکوپولی جانب شمال مشرق روس نے یہاں اپنی فوج جمع کر کے پلونا کو حصار میں لے لیا ہے تو میں یہ چاہتا ہوں کہ تم میں کا کوئی سا ایک۔ ایک ایک جگہ چلا جائے۔ اور اگر فرض کیا کہ راز افشا ہو گیا انہوں نے تم لوگوں کو پہچان لیا تو ہرگز اپنے منہ سے تم نہ کہنا کہ ہم عثمانی کیمپ کے افسر ہیں"۔

**ابراہیم**"۔ جناب ہرگز ممکن نہیں کہ ہم سے افشائے راز ہو۔ خلیل نکاپولی چلے جائیں گے اور میں لواٹنز۔ ہم جانے سے پیشتر حضور کو سلام کرنے کے لیئے آئیں گے۔ جناب اطمینان رکھیں جو بھروسہ کہ آپ غارف پر کرتے ہیں وہ ہمارے اوپر بھی کریں۔ یہاں دروازے پر کسی کو مقرر فرماویں۔ کوئی دو گھنٹہ یا تین گھنٹہ کے عرصہ میں ہم دونوں تیار ہو سکتے ہیں مگر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ کوئی دس بجے شب کے یہاں سے روانہ

ہوجائیں۔ دو کمزور ٹٹوؤں یا گدھوں کی بھی ضرورت ہوگی۔ اُن پر کچھ اپنا اسباب بار کیا جائیگا۔ حضور اِن کے لیئے بھی حکم فرما دیویں۔ ٹھیک دس بجے سلام کے واسطے حاضر ہوجائینگے۔ یہاں کوئی مزاحم نہ ہو"

**مشیر**" کوئی مزاحم نہیں ہوگا"

خلیل اور ابراہیم نے مشیر کی خدمت سے رخصت ہوکر فقیروں کا بھیس بدلا تمام جسم پر بھبوت مل لی۔ ہاتھ میں ایک دوتارا لے لیا۔ ایک لنگوٹی لگالی۔ اور ٹھیک دس بجے شب کے مشیر کے خیمہ پر پہنچے۔ جس طرح سے پہنچے ہوئے فقیر اپنے دھن میں گاتے ہیں اور اُن کی زبان پر **مومن خاں** کا یہ شعر تھا:۔

طالع میں نہیں طرب ذری بھی
منحوس ہے زہرہ مشتری بھی

اسی حال میں مشیر کے سامنے پہنچے۔ سب دیکھکر مبہوت رہ گئے کہ یہ اللہ والے کہاں سے آگئے۔ حضور میں پہنچکر دعا دی۔ تیرا بول بالا رہے۔ جاہ وحشم دوبالا رہے۔ ہم فقیر لوگ بھی تیرا نام سُن کر چلے آئے۔ اس راستہ سے ہمارا گزر ہوا تھا۔

**مشیر** (مشیر دیکھکر ہنس پڑے اور کہا) "دیکھیو ظالموں نے کیسی صورت بنائی ہے۔ اچھا شاہ جی کچھ سُناتے نہیں"

**فقیر**" ہاں بابا سُناتے ہی آئے ہیں۔ تو بھی سُن لے۔

ازغرق امن کردی تو مرا۔ وازجوش بحر طوفان بلا
اے بار خدا اُمید برا۔ تاوصل شود جانان مرا
ڈوبت ڈوبت پار لنگھے دریا سے سمندر ادر ہا
اب پار لنگھا اُس سے بھی مجھے اے بحر کرم دریا عطا
میری ادھر میں ڈولے ناؤ
میاں نے میری خبر نہ لینی جی"

**مشیر**" سائیں جی کچھ اور سناؤ"

ایں ہفت طبق در ذات یکے درموج دگر اوصاف خدا
ارباب فنا اصحاب بقا اظہار کنند اسرار خدا

اوس پار ہے ایک شاہ میرا میں راج دلاری دُور کھڑی
ملنے کی ہوئی جب دل میں ہوس کچھ بن نہ پڑی دریا میں گری
ڈھونڈت ڈھونڈت بھنور بھئے اے عشق مجھے دے پار لنگھا
جب پار لنگھے وہ یار ملا سب شاہوں کا سُہاگ بھرا
سب بھُول گئی میں پہلی بپت جب اُسنے لی چھتیاں سے لگا
تن ایک بھیا من ایک بھیا کیا فرق رہا کوئی دو تو بتا
اجی میرے جاگے ہیں بھاگ
سیّاں کے مَیں تو شگن مناتی جی
(از دیوان ضامن)

یہ اب یہاں سے ایک ایک گدھا ساتھ لے اُسپر کچھ پھٹے پُرانے میلے کچیلے کپڑے دو ایک مٹی کے برتن لاد روانہ ہو گئے۔ ایک نے شمال کا راستہ لیا دوسرے نے جنوب کا۔ جب کیمپ قریب آیا تو دیکھا کہ وہاں ایک باغ ہے اُس کے اندر جا رہے رات بھر وہاں آرام سے کاٹی۔ صبح کو خلیل کے ساتھ تو یہ واقع پیش آیا کہ اُسے عبادت کرتے اور دوتارا بجاتے تھوڑی دیر نہیں گزری تھی کہ گشتی سواروں نے آگھیرا اور جاسوس سمجھکر وراٹنر کو لیگئے۔ وہاں سخت حراست کے اندر دیدئیے گئے۔ ابراہیم کے ساتھ یہ ہوا کہ صبح ہوتے ہی اُس نے اپنا گدھا لادا اور قصد کیا کہ کیمپ کے پاس سے ہو کر گزروں یہاں گشتی سواروں نے اُسے بھی گرفتار کر لیا۔ غرض یہ کہ خلیل وراٹنر کے کیمپ میں اور ابراہیم نکو پولی کے کیمپ میں کُچھ تھوڑے دنوں تک سخت حراست میں رہے۔ پھر رفتہ رفتہ اِدھر اُدھر پھرنے کی اجازت ہوگئی۔ یہ اپنی فقیرانی دھن میں گاتے بجاتے پھرتے تھے کیمپ سے باہر جانے کی سخت مانعت تھی۔

اُن جاسوسوں کا تو یہ حال ہوا۔ اِدھر ایک اَور رات کو دو آدمی گرفتار آئے۔ مشیر نے دریافت کیا کہ یہ کون ہیں۔ سواروں نے جواب دیا کہ آوارہ گردی میں پکڑے گئے ہیں۔ مشیر (اپنے دل میں) "بشرہ سے تو روسی معلوم ہوتے ہیں۔ کہیں جاسوس نہوں" عارف کو یاد کیا۔ عارف آئے۔ وہاں بھی یہی سوال پیش ہوا۔ جواب میں بھی اُسی خیال کی تائید ہوئی "

**عارف** "(آوارہ گردوں سے مخاطب ہو کر) تمہارا نام کیا ہے"

آوارہ "میرا نام حلفی اور اس کا نام خلجی ہے" عارف "اسوقت پر تمہاری آوارہ پھرنے کی وجہ کیا؟"
اسکا جواب ہنوز ملا تھا کہ مشیر نے کہا "یہ جاسوس روسی ہیں۔ ان کو پھانسی دینی چاہیئے۔ الا اس صورت میں کہ ہمیں یہ اپنے راز سے مطمئن کردیں تو ان کی جان بخشی کردیجائے"
دونوں مارے ڈر کے تھرانے لگے۔ جان بڑی پیاری ہوتی ہے۔
خلجی "حضور ہم دونوں بھائی ہیں۔ یونہی قسمت کے مارے نکل پڑے ہیں۔ اب کبھی اس طرف رخ ہی نہیں کرنے کے"
مشیر نے آنکھیں نیلی پیلی کر کے کہا "لیجاؤ ان فتنہ گروں کو پھانسی پر چڑھا دو کوئی انتظار مت کرو" پیچھے سے رومیوں نے گردن سے پکڑ کر کھینچا۔ کہ چلو اب مہلت نہیں ملتی ہے۔
مشیر نے عارف کی طرف اشارہ کر کے کہا "ان کی تلاشی تو لو"۔
تلاشی لینے پر کوئی دو سو گز لمبا فلیتہ نکلا۔ چند کاغذ کے ٹکڑے۔ ایک پنسل۔ ایک کاغذ پہ نام سلیم آفندی۔ بلونا۔ آلفا۔ کالیگرو اور ناورڈ کا لکھا ہوا تھا۔ اس سے زیادہ اور کچھ نہیں تھا۔ مشیر نے کہا اور نہایت ہی زور کے آواز سے "لیجاؤ ان بدمعاشوں کو ان کے جاسوس ہونے میں کوئی شبہ نہیں" مارے خوف کے حلفی اور خلجی دونوں کی زبانیں بند تھیں۔ منہ سے ایک حرف نہیں نکلتا تھا۔ زمین پیروں تلے سے نکلی جاتی تھی۔ جسم میں رعشہ سا آگیا تھا گویا بخار چڑھا ہے۔ حواس باختہ تھے۔ معلوم ہوتا تھا کہ غریبوں کی سمجھ میں نہیں آتا ہے کہ کیا ہو رہا ہے اور کیا ہونیوالا ہے۔ مشیر نے عارف سے اشارہ کیا کہ ان کو باہر لیجاؤ۔ ذرا ان میں دم آ جائے۔ کچھ دلاسا وغیرہ دو تاکہ کچھ کام بنے اور خود نہایت ہی کڑکتی ہوئی آواز سے ان کی طرف خطاب کر کے کہا "ان کو اسیوقت لیجاؤ۔ یہ مستوجب موت ہیں۔ کوئی چیز ان کو نہیں بچا سکتی۔ ان کی نیک کرداری کا یہی اجر ہے۔"
عارف دونوں کو باہر لے گئے اور کچھ دم دلاسا دیکر کہا۔ "ارے ظالم بتلادو جان بخشی ہو جائیگی ورنہ اپنے ہاتھوں مرنا کچھ اچھا معلوم ہوتا ہے۔ ہر چند کہ تمہارے جیسے مجرم کے لیئے سوائے حکم قتل کے اور کوئی سزا نہیں۔ لیکن نہیں تم جانتے ہو کہ عثمان

نیک دل اور رحمدل ہیں۔ ناحق تمہارا خون وہ ہرگز نہیں کرینگے۔ اور ہم بھی تمہاری طرف سے ساعی ہوں گے اور وہ ضرور مان جائینگے اور اگر تم نہیں بتلاتے ہو تو اسی وقت تمکو پھانسی لگ جائیگی۔ اور تمہارا گوشت چیل کوے جنگل کے کھائینگے۔

خلجی "حضور کے حکم کے تابع ہیں"

حلفی "حضور ہمارا کوئی قصور نہیں"

عارف "یہی تو ہم بھی کہتے ہیں اور عثمان کے سامنے اسیطرح سے عرض کرینگے"

خلجی "ہماری جان آپ کے اختیار میں ہے"

حلفی "ہمارے ننھے ننھے بچے ہیں"

عارف "اقرار اگر کرنے پر راضی ہو تو سب کچھ ہو جائیگا۔ ہم بھی سفارش کر دینگے"

خلجی "حضور ہمیں روسی جنرل مکانی لادف متعینہ تو اشتر نے بھیجا ہے"

حلفی "حضور ہمیں روسی جنرل ملڈ ادف متعینہ نکوپولی نے بھیجا ہے"

عارف نے کہا تو اسی طرح سے اُن کے روبرو کہدینا اور جو کچھ تمکو معلوم ہو اس کا جواب بھی خاطرخواہ دیدینا۔ اس بات پر وہ دونوں راضی ہو گئے اور مشیر کے سامنے لائے گئے۔ مشیر ایک عجیب پُر رعب صورت بنائے بیٹھے تھے دونوں ایک زبان ہوکر بولے۔ حضور ہمیں ڈر معلوم ہوتا ہے۔ ہم سب کچھ کہنے پر راضی ہیں۔ لیکن ہمارے مُنہ سے کچھ نہیں نکلتا۔ مشیر نے کہا۔ نہیں ڈرو مت۔ اگر تم نے سچ سچ بتلادیا تو تمہاری جان بخشی کیجائے گی۔ یہ ہم ٹھیک کہتے ہیں۔ ہم مسلمان ہیں اور ہم میں سے جو مسلمان ہیں وہ ایک دفعہ کہکر پھر نہیں بدلتے۔

عارف "حضور۔ ان کا قصور نہیں ہے۔ یہ حکم کے تابع ہیں۔ روسی جنرل مکانی لادف اور ملڈ ادف نے ان کو جاسوسی کیواسطے بھیجا ہے۔ یہ سب کچھ عرض کرنے کے لئے تیار ہیں۔ ان کی جان بخشی فرمائی جائے"

مشیر "ہمکو ان سے زیادہ سروکار نہیں۔ یہ حال اپنا ہمیں دیدیں۔ زیادہ ہم ان سے مزاحمت نہیں کرینگے"

خلجی اور حلفی "جو کچھ صاحب فرماتے ہیں سب درست ہے۔ ہمارا اصلی نام جارج اور مائیکل ہے۔ جاسوسی کی غرض سے آئے تھے"

مشیر "تمہیں اور کیا کیا فن آتا ہے"
خلجی "حضور۔ لڑائی کے سب فنوں سے ہم دونوں ماہر ہیں۔ مدرسہ حربیہ کی ہماری تعلیم ہے"
مشیر "نقشہ کشی آتی ہے"
حلفی "حضور آتی ہے"
مشیر "تو آج رات بھر میں اپنے اپنے روسی کیمپ کے نقشے بنا کر ہمیں دو۔ اُس میں یہ بھی لکھو کہ جو راستہ اور طریقہ حرب کا وہ اختیار کرنے والے ہیں اُس میں یہ بھی بیان کرو کہ فیلڈ مارشل کون ہے۔ پھر تم سے چند سوالات کیئے جائینگے۔ اور حکم دیا کہ جن جن چیزوں کی اِن کو ضرورت ہو ان کو دیجائے۔ نہایت آرام سے رکھے جائیں۔ لیکن سخت حراست میں رہیں۔ خبردار۔
اِن کا تو قصہ یوں ختم ہوا۔ اب عارف کی طرف مخاطب ہو کر کہا۔ عارف اس پرچہ پر یہ نام کیسے ہیں۔ اتنا میں جانتا ہوں کہ یہ اُن لوگوں کے نام ہیں۔ جنھوں نے چاء کی دوکان رکھی ہے مگر اُن کو اس سے غرض کیا۔ یہ امر دریافت طلب ہے۔ لیکن ابھی سے اس کا افشا ہونا مناسب نہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ کوئی مخالف گرنٹ یہاں جاری ہے اور اُس کا انتظام صرف یہی ہو سکتا ہے کہ ہم اپنی دیکھ بھال زیادہ کردیں۔ یہ رومی آفندی اعتبار کے قابل نہیں۔ اسکو میں پہلے سے جانتا ہوں۔ تمکو ایک گشت روز لگانا مناسب ہے۔ اور چند سوار چنو جو سیگزین کی نگہداشت کما حقہ کریں "
عارف "بہت بہتر۔ جو حکم حضور"
دوسری صبح کو جب جاسوس نقشہ تیار کر کے لائے تو آئینہ تھا۔ اُس میں کوئی گنجایش استفسار کی بھی نہیں۔ لیکن مشیر نے پھر بھی اپنے اطمینان کیواسطے چند سوالات کیئے جن کا جواب اُن کو شافی ملا۔
مشیر "ہم تم سے اب ناراض نہیں"
جاسوس "جان و مال کے حضور مختار ہیں"
مشیر "لیکن تم ہمکو بتلا سکتے ہو کہ ہم کیا کریں۔ اُن کا ارادہ صبح تین بجے چھاپہ مارنے کا ہے"

**جاسوس** "حضور کے آگے زبان کھولنی بے ادبی ہے۔ لیکن ایک آسان سی ترکیب ذہن میں آتی ہے اور حضور سے اجازت لیکر بیان کرنے کی جرأت کرتے ہیں چونکہ اُن کے آنے میں ہنوز دو روز کا عرصہ باقی ہے۔ ۴۸ گھنٹہ میں بہت کچھ ہو سکتا ہے۔ بانس کی نلکیاں کٹوا کر اور اُس میں گراپ کے موٹے چھرّے بھر کر چھ قطاروں میں تمام مورچوں کے باہر خصوصاً جانبِ شمال مشرق اور جنوب زمین میں نصب کرا دیئے جائیں کوئی بڑا کام نہیں ہے"

چنانچہ بشیر نے اُسی وقت اسپر عملدرآمد کا حکم دیدیا۔ عارف کو نگہداشت کے اوپر مقرر کیا اور فرمایا کہ جب سب کچھ تیار ہو جائے اور نصب بھی ہو جائیں تو خود ملاحظہ کے لیئے جائینگے اور اس میں یہ ایزادی کی گئی کہ ان نلکیوں میں جو گولیاں ڈالی جائیں وہ زنجیر سے ایک دوسرے کے ساتھ پیوستہ ہوں اور فلانے عرق سے بجھا لیئے جائیں جو ابھی ہمارے یہاں ایجاد ہوا ہے اور جس کا نام عرق النار ہے"

**عارف** "بہت بہتر"

# معرکہ سوم

انتظام سارا خاطرخواہ اس دو روز کے عرصہ میں ہوگیا۔ان بیرونی مورچوں کے فلیتے اچھے اچھے ہوشیار افسروں کے سپرد عثمان نے خود کیئے اور خود اُن کو فہمایش کردی کہ اس اس طرح پر کرنا۔جب اندر مورچہ کے آجائیں تو ایک کو آگ لگا دینا۔یہ افسر وہ تھے جن سے عثمان اصالتاً واقف تھے جو اُن کے ساتھ اور جنگوں میں بھی شریک ہوچکے تھے۔عثمان کے ساتھ لڑنا تو ایک طرف رہا اُن کے نام پر جان قربان کرنیوالے تھے۔ہر طرح سے اطمینان کرکے اب رُوس کی آمد آمد کے منتظر بیٹھے یہاں تک کہ وہ وقت بھی قریب آگیا۔تھوڑی دیر کے بعد گولہ باری شروع ہوگئی۔پلونا کے چاروں طرف گولے برس رہے تھے۔کوئی جانب خالی نہیں تھی۔ادھر کی توپیں بھی نہایت ہی سرعت کے ساتھ جواب دے رہی تھیں۔کانوں پڑی آواز نہیں سُنائی دیتی تھی۔یہ معلوم ہوتا تھا کہ ایک قہر ربانی ٹوٹ پڑا ہے سو دنیا وہ دنیا نہیں رہی تھی۔سب لوگوں میں ہلچل مچ رہی تھی۔فلیتے والے افسر منتظر بیٹھے تھے۔اور نہایت سنجیدگی کے ساتھ۔کوئی ہراساں نہیں تھا۔کسی کو جوش غالب نہیں تھا مگر توپچانوں کا کچھ اور ہی عالم تھا۔اُدھر عثمان مصلّی بچھائے جناب باری میں ہر وقت دعا مانگ رہے تھے اور اپنے خیالات میں غرق تھے۔"اے خداوند ذوالجلال۔مسلمانوں کا تو ہی دستگیر ہے دیکھ تیرے سامنے سچے دل سے مناجات کر رہا ہوں۔عزت آبرو تیرے ہاتھ ہے اس دنیا کے پردہ پر کوئی ہمارا رفیق رہا نہیں۔مسلمان بھی مسلمان رہے نہیں تمام میں روسی تسلط ہوگیا ہے۔سلطان کو ہماری خبر نہیں لیکن تو بڑا اختیار روالا بادشاہ ہے فتح نصرت تیرے اشاروں کا نام ہے۔کیا اب بھی ممکن ہے کہ ہاری ہوئی زمین سلطان کو پھر واپس ملے۔کیا اب بھی ممکن ہے کہ مسلمانوں کا سکہ پھر جاری ہو۔یارب مُسلمان نام کے مُسلمان رہ گئے ہیں۔ہم میں سے اکثر بے ایمان ہیں۔یارب تو اُن کے دلوں کو خوب جانتا ہے تجھ سے کچھ چھپا نہیں ہے سراتنا مشیر کے صمیم قلب سے

نکلا تھا کہ آنکھوں سے جھراوں آنسو جاری ہو گئے۔ یارب اگر تو ہمارا حامی نہیں تو ہم کسی طرف کے نہیں۔ اس صفحۂ دنیا ہی سے ہمارا ناپید ہو جانا کوئی بڑی بات نہیں خداوندا تو دیکھتا ہے ہمنے لڑائی میں پہل نہیں کی۔ دشمنوں نے ہمیں ستایا اور ہم نے تیرے فرمان پر عمل کیا۔ خداوندا تو ہم سے دور نہیں ہے۔ یہ آنکھیں پتھرا گئیں۔ یہ دل تھک گیا ہے۔ دن رات مشغول ہوں۔ مگر کوئی صورت کوئی تدبیر نہیں نکلتی۔ کہ مسلمانوں کی مخلصی ہو۔ تو کوئی بات دل میں ڈال۔ تو کوئی اپنا انتظام کر۔ یاالٰہ العالمین تو جو دشمنوں کو آن کی آن میں دوست بنا دیتا ہے۔ تو جو دلوں کو بات کی بات میں پھیر دیتا ہے۔ اس وقت سلطان کا حامی ہو اور خداوندا وہ دن نہ دکھلا کہ سلطان کی بے حرمتی اپنے کانوں سنوں یا آنکھوں دیکھوں" یہ دعا عثمان کی بہت کچھ قبول ہو گئی اور آیندہ معلوم ہو جائیگا کہ کس طرح سے قبول ہوئی +

اِدھر مشیر سربسجود پڑے تھے۔ اُدھر دشمنوں کے گولوں نے اندھیری رات کو قیامت برپا کر رکھا تھا۔ اور آفندی صاحب کی سازش سے تمام چارخانہ کے مہتم کیمپ میں یہ تیاریاں کر رہے تھے کہ میگزین کو اوڑا دیں۔ سب مشغول ہیں۔ ایک شور مچا ہے۔ کسی کو کانوں کان بھی خبر نہیں ہونے کی۔ اپنے ارادوں میں یہ بدذات اسقدر کامیاب ہوئے کہ سرنگ کھود لی۔ فلیتہ لگا دیا۔ اب آگ دیاسلائی گھس کر لگانے ہی کو تھے پانچ سواروں نے پانچوں کو گرفتار کر لیا۔ اس وقت الفا اور بلونا کا بھی مردانہ لباس تھا۔ مشیر کی خدمت میں لیگئے اُن کا قصور بیان کیا گیا۔ اُن کی تلاشی لی گئی۔ دو عورتیں ثابت ہوئیں اور وُہی نام تصدیق ہوئے جو کاغذ پر تھے۔ مختصر طور پر حکم دیا کہ زیر حراست رکھو۔ لڑائی کے بعد پیش ہوں۔ اور آفندی کی طرف خاص خطاب ہوا۔ کیوں سلیم۔ تم مسلمان ہو۔ تم سے ہمارے دشمن روس بدرجہا اچھے ہیں۔ تمہارے مقابلہ میں اُن کے ساتھ محبت آتی ہے۔ باندھکر سب کے سب ایک طرف ڈالدیئے گئے کہ پڑے رہیں +

اُدھر رفتہ رفتہ گولہ باری کم ہوئی ــ صبح کی سفیدی بھی پیدا ہونے لگی۔ مگر آسمان ابھی تک سیاہ تھا اور توپوں کے دھوئیں کے باعث تمام تاریکی رات جیسی تھی اسوقت ایک عجیب واقعہ پیش آیا کہ ایک گولہ اُس جگہ آن کر گرا جہاں یہ چارخانہ والے قیدی بے حرمت

تھے اور گر کر پھٹ گیا۔ آفندی صاحب تو اُس کے صدمہ سے وُہیں جاں بحق تسلیم ہوئے اور یہ اُس کے لیئے بہت اچھا ہوا۔ بلونا کا نصف داہنا ہاتھ اور نصف بائیاں پانوں اوڑ گیا۔ الغا کا مُنہ جھلس گیا اور تمام وہ خوبصورتی اور گرم بازاری اور سحر سازی ایک بات کی بات میں کافور ہو گئی۔ ہاورڈ کی ایک آنکھ تو پھوٹ گئی۔ دوسری پر چوٹ سخت آئی داہنا پانوں اوڑ گیا۔ کالیگرو کے جو مُفت میں اِن تمام فریبوں میں پڑے تھے خفیف سی چوٹ سارے جسم پر آئی۔

اب کچھ سفیدی زیادہ چمک آئی تھی۔ روسی دُور تک پھیلے نظر آتے تھے۔ لیکن جلدی جلدی بڑھے چلے آتے تھے۔ پہلی صف کو تو اندر آنے دیا اور دوسرا جب داخل ہونیلگا اور ٹھیک بیرونی مورچہ پر آگیا تو فلیتوں میں آگ لگنی شروع ہوئی۔ اتنے میں وہ آدھے اندر آ گئے اور صفیں آگے بڑھ آئیں۔ جب چھ صفیں اس طرح اندر آ چکی تھیں اور ساتویں گذرنے والی تھی۔ اُس وقت بیرونی مورچوں کی والی شروع ہوئی۔ ایک دو تین اور اسیطرح پر چھ اندرونی صفیں اور چھ بیرونی صفیں (بارہ صفیں) متصل کی وُہیں ڈھیر ہو گئیں۔ گولیاں کیا چلتی تھیں نار جانا تھا آگ کا۔ اور جو ذرہ سا چھو بھی جاتا تھا وہ فنا فی النار و السقر تھا۔ ایک ذرہ سی دیر میں روس کی قریب قریب کل فوج اور تمام قریب قریب نام اور افسر اس معرکہ میں کام آئے سخت نقصان ہوا۔ اگر یورپ کے نزدیک برابر طاقتوں کا مقابلہ ہوتا تو ہرگز روس ہمک ہمک کر باز نہ آتا۔ مگر مشکل یہ تھی کہ بیمار سسل بیجاں کا مقابلہ تھا۔ غیرت مانع تھی کہ میدان خالی کردیں اور چہ جائیکہ تمام ٹرکی کیا ایشیائی۔ کیا یُورپی سب اُن کے قبضہ میں آچکے تھے۔ مگر بلونا تھا کہ فتح نہیں ہوتا تھا۔ ایک ذرا سی زمین عثمان پچاس ہزار آدمیوں کو لیکر کھلے میدان میں دبائے بیٹھا تھا اور کسی سے کچھ نہیں ہو سکتا تھا۔ تمام رُوسی جرنیلوں کی لیاقت صرف تھی اور نتیجہ کوئی نہیں۔ اس معرکہ میں کتنے کام آئے ہوں گے۔ کوئی حد و حساب نہیں۔ وُہی کہنا صادق آتا ہے کہ کشتوں کے پُشتے بندھ گئے۔ اور جو باقی بچے اور جنہوں نے یہ دوزخ کی آنچ دیکھی وہ پچھلے ہی پانوں دم چھوڑ کر بھاگے۔ اور جب تک دم باقی رہا برابر بھاگتے چلے گئے اسقدر سہم گئے تھے۔ بہتیرے تو گر کر مر گئے۔ بہتیروں نے ڈر کے مارے دم توڑ دئیے۔ بہتیرے بھاگنے کی

ورزش سے اسقدر تھک گئے کہ باہر کا سانس پھر اندر گیا ہی نہیں وُہیں ڈھیر ہو گئے
اسپر اور طرہ یہ ہوا کہ برسا زور شور سے پانی اور اُس کے ساتھ اولے پڑنے لگے۔ رُوسی
توبہ کرتے تھے۔ خدا کی درگاہ میں ناک رگڑتے تھے کہ خداوندا تو قصور کا معاف کرنیوالا
ہے۔ انسان بڑا ہی ضعیف البنیان ہے لیکن بڑا ہی مغرور ہے۔ ہم اپنے قصور پر نادم
ہیں۔ ذیل کی گفتگو سے جو پیٹر اور پال کے مابین ہوئی تمام رُوسی خیالات کا اندازہ
ہو جائے گا:۔

**پیٹر** "کوئی تو آخر عالم الغیب ہے نا۔ کوئی تو ہمیشال وسے ہٹنا ضرور ہے نا"
**پال** "ضرور۔ ورنہ ایک کو ایک کھا جایا کرے"
**پیٹر** "روس کو کیا پڑی تھی کہ بیقاعدہ ستاتے۔ جن کی غرض وابستہ تھی وہ اپنا آپ کر دھرلیتے"
**پال** "دیکھو نا تب ہی تو ہمارا عمل ہمارے گلے کا ہار بن گیا ہے"
**پیٹر** "خدا قدیر وجلیل کو اپنی قدرت دکھانی منظور ہے"
**پال** "ورنہ روس کے آگے رُوم کا کیا مقابلہ"
**پیٹر** "اور پلونا جیسے بے حسن مقام کا"
**پال** "اللہ کو راستی پسند ہے"
**پیٹر** "مسلمان اور عیسائی سب اُس کے بندے ہیں۔ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) نے
کوئی سرخاب کے پر تو نہیں لگا دیئے۔ کہ جو کام تمہارا ہوگا اور جو سلوک تمہارا ہوگا وہ
مافوق رہیگا"
**پال** "نعوذ باللہ من ذالک۔ وہ اپنے بندوں کا ستایا جانا نہیں دیکھ سکتا"
**پیٹر** "ہاں جی۔ قوت کوئی چیز نہیں ہے۔ اُسی کی دی ہوئی ہے جب چاہے لیلے"
**پال** "ہم تو کہتے ہیں کہ اب بھی مزاحمت چھوڑ دیں"
**پیٹر** "ورنہ ایسا نہو کہ ہماری سلطنت ہی کا خاتمہ ہو"
**پال** "کتنے ہی اللہ کے بندے ضائع ہوئے ہیں اور کس بات پر کہ آن بنی رہے"
**پیٹر** "خدا کیا آن کو جانے۔ بودھ۔ ہندو۔ عیسائی۔ مسلمان وغیرہ وغیرہ اُس کے
نزدیک سب یکساں ہیں۔ یقین مانو جس نے سر اُٹھایا اور ظلم پیشہ بنا اُس کا خاتمہ
ہو لیا"

پال "یہی تو خرابی ہے۔ ہرگز کوئی کسی کو ستا کر نہیں پنپ سکتا۔ مانا کہ گمراہی سے ہدایت لازمی ہے۔ تو ہدایت کرو۔ ہدایت کو کون بُرا کہتا ہے۔ مگر یہ ہدایت کس کام کی کہ جان جائے اور بات نہ جائے اگر نیت سچی ہے اور اللہ کے بندوں کی بہی خواہی ہے تو رہو اپنے قول و قرار پر سچے اور اگر نہیں تو اپنا ایمان اپنا دشمن ہے"

پیٹر "بھلا کہو عیسائی ہو کر بزرگی آ کیا جاتی ہے اور فرض کیا کہ آ بھی گئی کوئی بزرگی۔ تو اُس سے اَور دوسروں کو واسطہ۔ خدا عبادت سے خوش ہوتا ہے بیشک۔ لیکن ہمارا تو خیال ہے کہ ایک بُرائی جو بنی نوع انسان کے ساتھ کیجائے وہ تمام عمر کی عبادت کو ساقط کرنے کے بعد بھی اپنا ہی پلہ بھاری رکھنے کے لیئے کافی ہے"

پال "جیسے جسم میں مختلف اعضا ہوتے ہیں۔ مانا کہ بعضوں کو بالاتری حاصل ہے لیکن روس سنے تو یہ لازم نہیں آتا کہ دماغ۔ پیٹ کو بیکار سمجھکر ذلیل جانے۔ اسی طرح سے تمام مخلوق انسان کا حال ہے۔ محبت۔ تعلق۔ ہمدردی۔ اس سے اللہ راضی ہوتا ہے اور اُس قوم کو اللہ عزت دیتا ہے جس میں یہ باتیں ہوں۔ اگر سلطان کے مسلمان پاشا نمکحرام نہ ہوتے تو ممکن تھا کہ ہمیں انچ بھر زمین بھی مل جاتی۔ اگر اُن میں ہمدردی ہوتی تو ہر ایک اُن میں کا عثمان ثانی ہوتا۔ عثمان کوئی اللہ کا پیارا تو نہیں کہ اُس کی خاطر منظور رہے"

پیٹر "حقیقت یہ ہے کہ چیونٹی کا بھی دل دُکھانا اچھا نہیں۔ نفس پرستی بڑی خراب چیز ہے۔ کبھی نفس پرستی سے اپنا مطلب حاصل نہیں ہوتا۔ اور دیکھو وہ قومیں کس قدر مقبول بارگاہ عالی ہیں کہ جن میں نفس پرستی مقابلتاً کم ہے۔ اپنے مطلب کی سعی سے اپنا مطلب بھی فوت ہو جاتا ہے۔ ہمدردی اور بہی خواہی سے اپنا مطلب بھی نکلتا ہے اور دوسرے کا بھی فائدہ ہوتا ہے"

پال "روس کا بڑا نقصان ہوا ہے۔ مَیں سمجھتا ہوں کہ محض اس ایک لڑائی میں دو تین لاکھ آدمیوں سے کم کام نہیں آئے۔ اُن کو ہرگز معرکہ آرائی کی طاقت نہیں تاوقتیکہ اَور مدد نہ پہنچے"

پیٹر "میں نے سُنا ہے کہ اسی مضمون کا سینٹ پیٹرزبرگ تار دیا گیا ہے معلوم ہوتا ہے کہ کچھ اَور فوج آئیگی۔ یہاں سے اُٹھنا اور جانا تو اب دشوار ہو گیا ہے"

حقیقت میں سینٹ پیٹرزبرگ تار بھیجا گیا تھا۔ تمام نقصانات جتلائے گئے

تھے - وہاں پر بھی عام خیال یہی تھا کہ اب فوج اٹھا لیجائیے - جو نقصان ہوگیا ہے ہوگیا اب اور نقصان تو نہ ہو - لیکن فوج کا اٹھانا محال تھا - یورپ کی طاقتیں کیا کہینگی - اور گورنمنٹ کے نزدیک کیسی خفت اٹھانی پڑے گی - جو شروع ہوگیا ہے اُس کا چارو ناچار جاری رکھنا تو لازمی ہے - اِدھر صبح ہوئی مشیر نے تمام کو جمع کر کے دوگانہ شکر کا پہلے ادا کیا - پھر قیدی حاضر کیئے گئے - بلونا کیا - آلفا کیا - سب کا بُرا حال تھا - حقیقت میں ایک نہایت ہی عبرتناک ٹراجڈی تھی ٭

مشیر " آفندی تو اپنی سزا کو پہنچ چکا ہے - اور اُن کو بھی کم و بیش تائید غیبی نے سزا دیدی - اب ہم اپنے ہاتھ کیوں اس عذاب سے ملبوس کریں " عثمان یہ کہکر خاموش ہو رہے گویا کہ کچھ سوچتے ہیں - اُدھر مسٹر کالیگرو کھڑا ہو کر عرض حال کرنے لگا "

کالیگرو " حقیقت یہ کہ ہم آپ اپنی سزا کو پہنچ چکے - سارا قصہ تو طول ہے اور اُن ظلم لما خیالات کو پھر دُہرانا مکروہ ہے - لیکن ہمکو ہمارے کیئے کی سزا مل گئی - ہم اپنی غرض کی وجہ سے اندھے تھے اور نہیں معلوم ہوتا تھا کہ دوسرا کوئی بھی جان رکھتا ہے - ہم نہایت زور سے سنائے دیتے ہیں کہ خود غرضی سے لوگ ضرور باز آئیں - خود غرضی کی یہ سزا ہے جو ہمکو ملی ہے اور ملیگی - یہ لڑکا عارف جو حسن خدمت کی وجہ سے حضور کے منظور نظر ہے حقیقت یہ ہے کہ ہماری متواتر بدسلوکیوں کے بعد بھی اُس نے ہماری طرف نگاہ اُٹھا کر نہیں دیکھا - وہ نہایت ہونہار لڑکا ہے - ہمکو چاہے آپ پھانسی دیں - دار پر چڑھائیں یا ہمکو اپنی اسی بدکرداری میں چھوڑ دیں لیکن یہ ہم کہنے بغیر نہیں رہ سکتے کہ ہماری آنکھوں پر پردے پڑے تھے - اسقدر لالچ نے ہمیں احاطہ کر لیا تھا - اس ایک آواز نے ساری کدورت ہماری آنکھوں کی دُور کر دی - ہم اقرار کرتے ہیں کہ ہم بدترین انساں سے تھے اور اب ہم آپ کے سامنے توبہ کرتے ہیں کہ چاہے فاقے ہوں چاہے مریں چاہے جئیں لیکن ہم آیندہ اپنی بُری عادات کی طرف کبھی عود نہیں کریں گے - جس قدر کہ عارف کے ساتھ ہمکو بہت ہی بُغض تھا اُسی قدر اب ہم اُس کے مداح ہیں اور اس سے زیادہ ہماری اور کوئی خواہش نہیں ہے کہ عارف ہم کو اِس تباہ حالت میں دیکھیں - ہم اُس کے پیروں پر گر کر معافی چاہیں اور پھر بھی وہ ہمکو معافی نہیں اور ہم اِسی آرزو اور اسی اشتیاق میں مر جائیں - اپنی ناپاک روحیں

اِس دنیا سے جس کو ہمنے خراب کیا ہے لیجائیں۔ ہم پھر ایک دفعہ زور سے کہتے ہیں کہ خود غرضی تمام آفتوں کی جڑ ہے اور ہوتی دُود اُس وقت ہے جبکہ تباہ کر لیتی ہے۔ اے میرے سرتاج غازیو۔ ہمدردی۔ محبت۔ آشتی۔ صُلح جوئی اختیار کرو کہ تمہارا رشتہ یہاں دنیا میں اور آسمان پر بھی مضبوط ہو۔ ہمارے نام پر لعنت بھیجو۔ نہیں ہر چند کہ ہم لعنت سے زیادہ کئی درجہ کسی اَور چیز کے لائق ہیں مگر نہیں تم اپنے اوپر بُرائی نہ لینا۔ اللہ کے نزدیک خدا پرست اور بُت پرست دونوں برابر ہیں۔ فرق اتنا ہے کہ خدا پرست کو ہدایت دینی فرض ہے اور بُت پرست کو ہدایت قبول کرنی۔ مگر سختی دونوں کی طرف سے اللہ کے نزدیک بُری ہے۔ اسی طرح سے ہر چند کہ ہم بدکردار اور ہمارے جیسے اَور سینکڑوں سخت ظلم کے لائق ہیں لیکن نہیں ایسے لوگوں کی سزا میں بھی اپنے اعتدال سے گزرنا اللہ کے نزدیک بُرا ہے۔ سزا اور ایذا دہی اُسی حد تک درست ہے جس سے بنی نوع انسان کا فائدہ مقصود ہو۔ جہاں اس درجہ سے گذرا اور مخاصمت پر مبنی ہو گیا۔ ذاتیات دخل پا گئے وہ امر خدا کے نزدیک ضرور مواخذہ کے قابل ہو گیا۔ اے مہربان غازیو اگر تم مجکو اور اِن غریبوں کو (یہ بھی غریب ہی ہیں کیونکہ فضیحت تو ساری اِن کی نکل گئی) کتوں سے پھڑواؤ اور کھالوں میں بھس بھروا کر دوسروں کے لیئے عبرت بناؤ یا اَور کوئی ایذا جو آدمی کی اختراعی قوت نے ابتک دماغ میں محسوس کی ہو دو تو ہمارے لیئے بدرجہ اولیٰ مناسب ہے۔ مگر یاد رکھو کہ نوع انسان کی بہبودی سے گذر و گے تو ہمارے جرائم کے داغ تمہارے دلوں کو سیاہ کر دینگے اور محض مخالفت کی غرض سے ستانا تمہارے لیئے اچھا نہ ہوگا۔ ہم تو اپنی سزا پا چکے اور پا لینگے۔ تو دیکھو غازیو میں ایا نا کہتا ہوں یہ تمہارے لیئے مناسب نہیں۔ میری اِس سے صرف یہ غرض ہے کہ اپنے تجربہ سے تمکو بتلا دوں کہ اللہ کے یہاں سب برابر ہیں اور سب سے زیادہ وہاں نفسانیت کا مواخذہ ہے۔ اے کاش [illegible] عمل کرو اور اپنی قوم کو اس نصیحت کی بدولت از سر نو سدھارو۔"

جب بات کوئی کسی کے دل سے نکلتی ہے وہ ضرور پُر اثر ہوتی ہے۔ اس نے [illegible] ایک دفعہ فسوں سازی کا کام کیا۔ مشیر کی آنکھوں میں اپنی قوم کا عبرت ناک واقعہ پھر گیا [illegible] کی آخری وجہ معلوم ہو گئی۔ ارادہ تو پہلے ہی سے تھا کہ مجرم رہا کر دیئے جائیں مگر [illegible] زخمی تھے اُن کو ہسپتال بھیجدیا اور حکم دیدیا کہ اچھے ہونے کے بعد جہاں [illegible]

# سلطان المعظّم

اُدھر تو یہ واقعات پیش آرہے تھے اِدھر سُلطان المعظم کو مناجات سے کام تھا۔ رو رو کر خدا کی درگاہ میں کہتے تھے" یا اِلٰہ العالمین کیا کروں۔ روز بروز حالت ابتر ہوتی جاتی ہے۔ چاروں طرف سے دشمنوں نے گھیر رکھا ہے۔ تیرے سوا اَور کون میرے دِل کا حال جانتا ہے۔ کوئی ایسا بھی نہیں کہ جس سے اپنے دل کا حال کہوں نااُمیدی کا ہجوم آتا ہے۔ مگر تو فرماتا ہے۔ لَا تَقْنَطُوا۔ تیرے فضل و کرم سے نااُمید کیونکر ہوں تیری نعمتوں میں پلا ہوں۔ تیرے ہی سہارے سے سلطنت کا کام چلاتا رہا۔ ایک دم بھی تجھ نہیں بھولا۔ اب بڑا سخت وقت آن پڑا ہے تو تجھے کیونکر بھولوں۔ تیرے سوا اَور کس کے در پر جاؤں۔ مشیر سلطنت ارکانِ ریاست مارِ آستین نکلے۔ کچھ کام اُنہوں نے خراب کیا مگر نہیں کسی نے کوئی کام خراب نہیں کیا۔ تجھے کوئی سبق دینا منظور ہے۔ یہاں اکیلا بے مونس و غمخوار بیٹھا ہوں۔ تو ہی کوئی بشارت دے۔ مگر تو کیسا مونس ہے۔ کیوں میں کہوں اکیلا ہوں۔ کیونکر میں اکیلا سمجھوں۔ سب کچھ گوارا ہے تیرا فضل شاملِ حال ہو۔ خداوندا تیرا فضل شاملِ حال ہو۔ یا خداوندا اب برداشت کی طاقت باقی نہیں رہی۔ رُوسی شبکا درہ سُنا جاتا ہے طے کر کے مشرقی رومیلیا میں داخل ہو گئے ہیں۔ اب کوئی دن ہی جاتا ہے کہ وہ یہاں بھی آیا چاہتے ہیں۔ یہاں اُن سے کون مزاحمت کریگا سفراء کے کہنے کے موافق وزیرانِ سلطنت کو رخصت دیدگئی ہے۔ اچھا ہوا۔ وہ بھی ایک اُوزنک کرنیوالے تھے۔ دوسری وزارت کیونکر مقرر کروں۔ اگر مقرر کی بھی تو اُن سے فائدہ کیا ہوگا۔ یا اِلٰہ العالمین۔ تو بتلا تو کوئی بشارت دے۔ کیا کروں سخت تنگ ہوں۔

لگائے ٹھٹہ کھڑی ہے نامرادی
تمنائے دلی نکلے کدھر سے

خداوندا تو برداشت کی قدرت دے۔ اب برداشت نہیں ہو سکتا ہے۔ وہ مسلمان

جولیک زمانہ میں ظفر نصیب تھے۔ آج اُن کا شکستوں کا سامنا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ فتح ان کو کبھی گویا کہ نصیب ہوئی ہی نہیں۔ ہائے وہاں عثمان کا کیا حال ہوگا۔ معلوم نہیں زندہ بھی ہے یا مرگیا۔ چاروں طرف دشمن ہی دشمن۔ کوئی صورت بنتی نظر نہیں آتی۔ مگر خداوندا تیرے فضل پر بڑا بھروسہ ہے۔ کوئی ایسی بشارت دے جس سے یہ گرتا ہوا دل کچھ تو ٹھہرے۔ ہائے دل ڈوبا جاتا ہے۔ ہائے رے ناامیدی۔ مگر نہیں تو خدا کو اپنے مقبول گیا۔ تیرے ساتھ تیرے ہمجلیسوں نے دغا کی ہے۔ اُف خدا تجکو اس بُرے وقت میں اکیلا نہیں چھوڑنے کا۔ کوئی صورت ایسی بنے گی کہ دشمنوں کی آنکھوں میں خاک پڑجائیگی۔ مگر کہاں سے۔ تو نہیں سمجھتا وہ قادر مطلق ہے۔ الغرض سُلطان کے دل میں اسی قسم کے توہمات آتے۔ رو رو کر بارگاہِ خدا میں عائیں مانگتے کہ مُسلمان تو تیرے پیارے بندے تھے۔ اِن پر یہ عتاب تیرا کیوں اَب نازل ہوگیا۔ مگر ہاں مُسلمان بھی تو اَب وہ مُسلمان نہیں رہے۔ مُسلمانوں کے نام سے دغا اور فریب دُور بھاگتی تھی۔ کہاں اب یہ شیرِ مادر ہوگیا ہے۔ سیدھی بات کسی کو آتی نہیں۔ جو ہے پیچدار۔ جو معاملہ ہو اُس میں پھیر۔ راستی تو ان سے ایسی اُڑی گویا کہ کبھی تھی ہی نہیں۔ ہمارے ارکانِ مملکت پڑھے لکھے صاحبِ علم۔ نئی پُرانی روشنی دونوں سے باخبر۔ لیکن ان کو کیا ہوگیا۔ سب انہوں نے اُٹھا کر بالائے طاق رکھدیا دشمنوں کے وعدہ وعید کس کام آئیں گے۔ اُن سے اُن کو کیا مل رہیگا۔ اور اگر ملا بھی لاکھوں مسلمانوں کا خون کرکے۔ دو چار کو۔ تو کیا ملا۔ اور وہ بھی دو ایک نسل کے بعد کچھ رہیگا نہیں۔ انہوں نے کیا سمجھا ہے۔ آیا میرا برتاؤ جابرانہ تھا۔ آیا میرا حکم اُس شریعت کے موافق نہیں تھا جس نے وحوش میں رومیوں کی رُوح پھونک دی تھی اور چار سو عالم میں دکھلایا تھا کہ اسلام کیا چیز ہے۔ ہائے آج کے روز ہم ایسے ذلیل ہوگئے۔ ایسے بے ہوش ہوگئے کہ ہمکو اپنی بھلائی بُرائی کی خبر نہیں۔ اگر ہمیں کسی سبق کی ضرورت ہوتی ہے تو ہم یہود اور نصاریٰ سے سیکھتے ہیں۔ کیا اسلام میں کوئی بھی سبق دینے والا نہیں تھا۔ کیا اب وہ دروازے بند ہوگئے جن سے تمام عالم نے روشنی حاصل کی تھی۔ اُف اُف اب ضبط نہیں ہوتا۔ ہاں کس قدر اپنے توہمات میں پھنس گیا ہوں۔ کتنا عرصہ گذر گیا ہے سفرا دول سے باتیں کی تھیں۔ انہوں نے اپنی اپنی گورنمنٹ میں رسائل روانہ کرنے کا

وعدہ کیا تھا۔ ہاں مجھے یاد آتا ہے اُنہوں نے رسائل مجھے پڑھکر سُنا بھی دیئے تھے۔ کس قدر میرا دل اور دماغ دنیاوی معاملات سے خالی ہو گیا ہے۔ کیا اُن سے کچھ اُمید کرنی چاہیئے۔ کیا وہ ہمارے حق میں کچھ کر سکتے ہیں۔ اس میں ذرا شبہ نہیں کہ وہ اپنے عہد و پیمان کے سچے ہیں۔ اچھی عادتیں مسلمانوں سے دور ہو کر عیسائیوں میں آن رہی ہیں یا مسلمان ہمیشہ کے ایسے ہی کجرو تھے۔ یہ تو ہو نہیں سکتا کہ مُسلمانوں کے اخلاق ہمیشہ سے ایسے ہی ہوں۔ وہ نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) جس نے دشمنوں کو دوست بنا لیا۔ عرب کے کفار میں روشنی پھونک دی اور توحید کا اعلان عام کر دیا اُن کے صفات حمیدہ کا کون منکر ہے۔ لیکن اب مسلمان کیوں ایسے ہو گئے ہیں۔ اگر مسلمان آج کو آدمی ہوتے اگر مسلمان آج کو اپنا بھلا بُرا سمجھتے اور تمیز کر سکتے تو یہ بات ہی کاہیکو نصیب ہوتی کیوں خرابیوں کے دن آتے۔ کیوں دشمن گھر پر چڑھ آتا اور یہاں بھی کچھ کرتے دھرتے بنتا خیر پُرانی باتوں کا کہاں تک اعادہ کرو گے۔ اُن کو یاد کر کے کہاں تک رؤ گے۔ جو کچھ ہو سکتا ہے اب۔ وہ اب کرنا چاہیئے۔ سفراء کی خدمت میں آدمی بھیجنا چاہیئے۔ شاید وہ تشریف لائیں۔ شاید اُن کے رسائل کے جواب آ گئے ہوں۔ شاید کوئی خوشخبری سُنائیں۔ ممکن ہے کہ اللہ نے اُنہیں کے دلوں میں رحم ڈال دیا ہو۔ ممکن ہے کہ اللہ اُنہیں کو وسیلہ خیر کا بنائے۔

# سفراء دول انگلش و فرنچ

یہاں سے سُلطان نے ایک معتبر اِن دونوں صاحبوں کی خدمت میں روانہ کیا اور ساتھ ایک رقعہ دیا۔ زبانی بھی کہلا بھیجا کہ اگر تکلیف مانع نہو تو ذرا یہاں تک تکلیف فرماویں آپ صاحبوں نے گذشتہ ملاقات میں دوستی کا دعویٰ کیا تھا اُسی پر عمل کر کے یہ تکلیف دیجاتی ہے۔ اور اُسے یہ بھی فہمائش ہوئی کہ وہاں دیر نہ لگانا جیسی کچھ خبر ہو فوراً حاضر ہو کر عرض کرنا۔ میں تیرے آنے کا منتظر رہوں گا۔ چلتے چلتے کہدیا دیکھ دیر نہ لگانا ‹

کچھ منظورِ الٰہی تھا۔ یا یوں کہئے کہ اتفاق ہی ایسا ہو گیا۔ دونوں سفیر سفیر انگلش کے مکان پر آنے کے واسطے تیار تھے۔ بگھی باہر کھڑی تھی۔ معتبر نے جا کر اطلاع کی اور اپنا پیغام پہنچایا وہاں سے جواب ملا کہ ٹھہر جاؤ۔ ایک منٹ میں ہم بھی چلتے ہیں۔ ہمارے ساتھ ہی چلنا ‹

سفیر "سُلطان زیادہ اوداس تو نہیں"؟

پادشاہوں کے دربار میں یا تخلیہ میں حاضر ہوتے وقت یہ پہلا سوال پوچھا کرتے ہیں کہ اُن کا مزاج کیسا ہے اور یہ اس غرض سے کہ خود بھی اُسی طور پر آمادہ ہو جائیں اور کوئی امر نازیبا کوئی حرکت خلاف شان ظہور میں نہ آئے۔ تو ان سفراء کا اس طرح پر دریافت کرنا کوئی عجیب بات نہیں مگر اب معتبر کیا جواب دے۔ اگر اوداس کہتا ہے تو کوئی کسر شان نہو۔ اگر شاد کہتا ہے تو شادی کا کیا موقع۔ اسی پیچ و تاب میں تھا کہ سفیر فرنگ نے کہا کہ اُن کا مزاج شاید ویسا ہی ہے جیسا کہ آخری مرتبہ ہمنے اُن کو دیکھا تھا۔

معتبر "جی ہاں۔ وہ آپکی ملاقات کے بڑے مشتاق ہیں"

سفیر "اچھا تو چلیئے"

تینوں کے تینوں گاڑی پر سوار ہو کر شاہی محلسرائے کی طرف روانہ ہو گئے اور ایک آن کی آن میں پہنچ گئے۔ چوبدار سے اطلاع کرائی۔ وہاں حضورِ اعلیٰحضرت منتظر تو تھے کہا کہ بُلا لو۔ جب یہ اندر داخل ہوئے تو تعظیماً اُن دونوں کے واسطے کھڑے ہو گئے "

**انگلش**:- ہم آپ سے نہایت خوشی سے اس بات کا اظہار کرتے ہیں کہ ہماری گورنمنٹ کو آپ کے ساتھ پوری ہمدردی ہے اور وہ کسی صورت میں یہ نہیں گوارہ کر سکتی کہ آپ کو کسی قسم کا صدمہ پہنچے۔ آپ کوئی فکر نکریں۔ ہمارے متعدد جنگی بیڑے ہفتہ عشرہ کے اندر ہی اندر یہاں **ڈارڈنیلز** میں آکر لنگر زن ہو جائینگے اور جب تک اُن میں قوت باقی رہیگی وہ آپکی مدد سے منحرف نہوں گے۔ ہم جان سے اور مال سے آپ کی مدد کے لیئے تیار ہیں۔ حضرت قیصرہ دامت ملکہا وجلالہا نے ہمیں حکم دیا ہے کہ آپکی خدمت میں اُن کا سلام مع الاکرام پہنچا دیں۔ اُن کو اس بات کے سُننے سے بہت ہی افسوس ہوا کہ آپکے ارکانِ سلطنت وہ جن پر آپ کا بھروسا تھا اور جن پر سارا اہتمام ملک کا منحصر تھا انہوں نے آپ سے دغا کی اُن کو آپ کے ساتھ کامل ہمدردی ہے۔"

**حضرت**:- اُن کی مہربانی ہے۔ میں اُن کا نہایت ہی ممنون ہوں۔ اور اُن کی سچی دوستی اور اتحاد سے ہمیں پہلے ہی سے کامل اُمید تھی کہ اس نازک وقت میں وہ ہرگز ہمکو اکیلا نہیں چھوڑینگے۔"

**سفیر فرنچ**:- شاہ فرانس کو اور فرنچ جامبر کو آپ کے ساتھ پوری ہمدردی ہے۔ اُن کے جنگی جہازوں کا ایک بیڑا ہفتہ عشرہ کے اندر ہی اندر بحر مادموراا میں لنگر زن ہو جائیگا۔ اور یہ بھی ہمیں حکم ملا ہے کہ آپ کی خدمت میں عرض کر دیں کہ اگر آپ پہلے یاد فرماتے تو اور بھی جو کچھ ہو سکتا تھا کیا جاتا۔ مگر اب وقت گزر گیا ہے۔ اب سوائے مصالحت کے اور کوئی کام باآسانی ہو نہیں سکتا۔ ہم ہر طرح سے آپ کو مدد دینے کے لیئے موجود ہیں۔ آپ کسی امر کا خوف نفرماویں۔ جبکہ آپ یورپ میں ہیں تو ہمارے **قانون بالنس** اور **پاور** میں آپ آچکے۔ یہ کس طرح ممکن ہے کہ آپ کو یوں ہم بگڑتا دیکھیں اور خبر گیر نہوں وہ افسرز جنہوں نے آپ کے ساتھ ایسا خراب سلوک کیا ہے۔ جن سے تمام یورپ کی بدنامی مقصود ہے اُن کو کامل سزا ملنی چاہیئے۔ ہم آپسے اصرار کرتے ہیں کہ جب فتنہ فرو ہو جائے تو جس قصور کے جو قابل ہیں اُن کو ویسی ہی سزا دیجائے۔ ہم روپیہ سے بھی آپ کی مدد کو تیار ہیں۔ جس قدر ضرورت ہو اُس سے حاضر ہیں۔ اتحادی معاملہ سمجھا جائے۔ کوئی تکلف نہ ہو جو باعث تکلیف ہو۔"

**حضرت**:- ہم آپکے اور خصوصاً آپ کی گورنمنٹ کی فیاضیوں کے بہت ممنون ہیں

یہی اُمید آپ کی گورنمنٹوں سے تھی۔"
**سفیر انگلش** :- "ہم آپ کو نہایت مسرت کے ساتھ ایک اَور خوشخبری دیتے ہیں اور شاید اِس خبر کی آپ زیادہ قدر کرینگے کہ مسلمانانِ ہند کی پُوری ہمدردی آپ کے ساتھ ہے۔ گورنمنٹ آف انڈیا آپ کی مدد کے لیئے بہر نوع تیار ہے۔ اور ہندوستان کے مسلمانوں نے چندہ جمع کرکے آپکی خدمت میں ہمارے ذریعہ سے روانہ کیا ہے۔ پچاس لاکھ روپیہ اُن کا بھیجا ہوا ہمارے پاس موجود ہے۔ جس وقت آپکی طرف سے اشارہ ہوگا خزانہ عامرہ میں جمع کرادیا جائیگا۔ اسی قدر گورنمنٹ آف انڈیا اور بقدرِ ضرورت ہوم گورنمنٹ آپ کی خدمت میں رقم مع اسلحہ وسامان حرب وغیرہ دینے کے لیئے تیار ہیں۔ ہم نہایت ہی مسرت سے آخر میں یہ بھی عرض کرنا چاہتے ہیں کہ اب اعلیحضرت کو کسی قسم کا خوف نہیں کرنا چاہیئے۔ کسی قسم کا ہراس اپنے دل پر نہ آنے دیں اور جس وقت امن وامان ہوجائے اُس وقت اس روپیہ سے دارالعلوم کھولدیئے جائیں تاکہ ٹرکی کی ترقی بھی یورپین ترقی کی ہم پلّہ ہوجائے۔ آپ یقین مانیں کہ اگر مصالحت سے فیصلہ نہ ہوا تو ہم خون کی جگہ خون کی ندیاں بہانے کو تیار ہیں۔"
**حضرت** :- "آپ صاحبوں کا تہِ دل سے شکریہ اور آپ کی گورنمنٹوں کا دل سے ممنون۔ آپنے ڈوبتے ہوئے کو بچایا۔ ہم ہرگز کافی طور پر اُن خیالات کو ظاہر نہیں کرسکتے ہیں جو آپ کی فیاض دوستی کے سبب ہمارے دل میں پیدا ہیں۔ ایک روز ہم بھی دکھادیں گے کہ ہم بھی آپ کے سچّے دوست ہیں اور دوست کے پسینے کی جگہ خون گرانے کو تیار ہیں۔ اِس وقت ہماری طبیعت ذرا ٹھیک نہیں اور سارا دفتر ہی ہمارا اُلٹ پلٹ ہورہا ہے۔ جب ذرا معاملہ قرار پا جائیگا تو ہم بھی آپکی گورنمنٹوں کی خدمت میں خریطے بھیجیں گے اور اُن کا شکریہ ادا کرینگے۔"
**سفیر انگلش** :- "اور یہ میں عرض کرنا بھول گیا کہ شاہ سارڈینیا کو بھی آپسے پوری ہمدردی ہے۔"
**سفیر فرنچ** :- "اور میں آپکو یقین دلاتا ہوں کہ اکثر یورپین طاقتوں کو اِسوقت آپسے پوری ہمدردی ہے۔ اظہار اسلیئے نہیں کرتے کہ وہ کہتے ہیں کون مفت کی دردسری مول لے وقت سکے اوپر جیسا ہوگا کردیا جائیگا۔ اصل یہ ہے کہ اُن کے اُصول کچھ خودغرضانہ ہیں اور ہم دونوں انسانی ہمدردی پر جان دیتے ہیں۔"

**حضرت** "ہم بہت فکروں میں مبتلا رہے ہیں۔ ہرچند کہ وہ فکریں ابھی تک دُور نہیں ہوئی ہیں لیکن آپکی گورنمنٹوں کے عہد و پیمان نے ذرا دل کو بشاش کردیا ہے۔ اگر آپ کو تکلیف نہو تو رات کا کھانا یہیں ملاحظہ فرمائیں۔ جیسی مسرت کہ آپ نے ہمارے دل میں پیدا کردی ہے وہ آپ کے تکلیف فرمانے سے اَور دوبالا ہو جائیگی اور ہمکو امید واثق ہے کہ آپ ہماری دعوت کو رَد نفرماوینگے"

**سفیر انگلش** "آپکی تکلیف کا خیال ہے ورنہ ہم تو حاضر ہیں"

**سفیر فرنچ** "ایک نہایت مشہور پائنو ساز پارس سے آیا ہوا ہے اگر فرمائیں تو اُسکو بھی ہمراہ لیتا آؤں"

**حضرت** "آپ کے جس قدر احباب اس نان و نمک میں شریک ہوں گے اُسیقدر مسرت زیادہ ہوگی"

# ابا صُوفیہ

ابا صوفیہ کا آسمان صاف ہوگیا ہے۔ ابر کی کدورت برس کر تھم گئی ہے۔ کہاں میناروں سے نعرۂ اللہ اکبر بلند تھا۔ کہاں اب گرجوں سے خوشی کے گھنٹوں کی آوازیں آ رہی ہیں۔ ہر چند کہ سین وہ نہیں رہا مگر باتیں ساری ویسی ہی عیاں ہیں۔ یہ بھی نہیں معلوم ہوتا ہے کہ جنگ یہاں ہوا بھی تھا۔ یہ بھی معلوم نہیں ہوتا ہے کہ امن و امان کا تسلط بھی اور مقاموں میں باقی ہے۔ اُسی طرح سے چوک میں یاروں کا ہجوم اُسی طرح سے تجارت کے مقاموں پر لوگوں کی آمد و رفت اُسی طرح سے چوباروں پر راگ ورنگ۔ کوئی زہرہ شمائل کھڑکی سے مُنہ نکال کر ایک عالم کو تماشائی بنا رہی ہے۔ مسٹر یوسف کی دوکان بڑے آب و تاب سے چمک رہی ہے۔ اگر کہیں اوداسی ہے تو مسٹر یوسف کے دوکان کے ایک گوشہ میں اور وہ کون سا گوشہ جہاں خاتون زینب کا قیام ہے۔ لیکن وہ مکان بھی آراستہ کیا جا رہا ہے اور اُس کے محاذ کا مکان بھی جس میں حضرات نادر ڈاکر قیام پذیر ہوتے تھے صاف کیا جا رہا ہے۔ کسی کی آمد آمد ہے جو ہر کس و ناکس اِس دوکان کے متعلق ایک خوشی کے عالم میں اِدھر سے اُدھر دیکھ بھال کرتا پھرتا ہے۔ مسٹر یوسف سب سے زیادہ مشغول ہیں اور مسز یوسف دعوتی سامان میں اِس قدر مشغول ہیں کہ کبھی اِس نوکر کے پاس جاتی ہیں اور ہدایت کراتی ہیں اور کبھی اُس کے پاس۔ کھانے کا کمرہ خاص طور پر آراستہ ہوچکا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مہمان کا گذر پہلے اسی کمرہ ہی میں ہوگا۔ کھانا بھی قریب قریب تیار ہے۔ اتنے میں ایک سواری منزلوں کی ماری دو نوکر ہمراہ مسٹر یوسف کی دوکان کی طرف بڑھی۔ یہ تو منتظر تھے ہی اُٹھ کھڑے ہوئے۔ زینب کو اور مسز یوسف کو بھی ہمراہ لیلیا۔ گاڑی مکان کے سامنے دروازے کے اوپر ٹھہری۔ مسٹر یوسف نے پہلے ریلیو کیا اور بعد میں مسز یوسف ملیں اور دونوں نے خاتون زینب کو انٹروڈیوس کیا اِس وقت زینب کا رنگ فق تھا۔ بیچاری کا سر چکر کھا رہا تھا۔ دل میں کچھ ہی کیوں نہ بھرا پڑا ہو۔ چہرہ پر دو ایک بل ڈال کر مسکراتا ہوا چہرہ بنانا پڑا۔ لباس زینب کا سفید تھا وہ تو سیاہ پہنتی تھی۔ مگر ماں کی طرف سے تاکید تھی کہ نہیں سُرخ پہنو۔ کئی مرتبہ خفا بھی

ہوئی کہ لڑکی کو ہو کیا گیا۔ ایسی تو بے کہی کبھی کی تھی نہیں۔ مگر چار و ناچار دونوں کو ہی راضی ہونا پڑا کہ اچھا سفید کپڑے پہنے جائیں۔

**مسٹر یوسف** "آپ خیریت سے تو آئے۔ کوئی تکلیف تو راستہ میں نہیں ہوئی"

**اجنبی** "نہیں آپ کا خط والد کے پاس پہنچا اُس وقت ذرا کاروبار کی کثرت تھی اسلئے فوراً ہی روانہ ہونیکی مہلت نملی۔ مگر جب انہوں نے اجازت دیدی تو کہیں ٹھہرا نہیں سیدھا چلا آیا۔ آپ سے مُلاقات کا بدرجہ غایت اشتیاق تھا۔ آپ کو میری روانگی کا خط تو ملا ہوگا"

**یوسف** (خوشی سے مُسکراتے ہوئے) "خط تو نہیں ملا۔ کل تمہارے والد مسٹر بانجامن کا ایک تار وصول ہوا۔ اُس سے تمہارے روانہ ہونے اور یہاں پہنچنے کا راز کھلا ہم کل ہی سے آپ کے منتظر ہیں اور زینب بھی انتظار کر رہی ہے"

اِس "انتظار" کے لفظ سے زینب کا چہرہ اَور بدل گیا۔ پھر اجنبی کا زینب کی طرف ہنستے ہوئے دیکھنا کہ خاص زینب کی زبان سے کچھ "انتظار" کے معنوں میں سُننے مگر اُس نے اپنی آنکھیں نیچی کر لی تھیں جس سے خیال گزرا کہ وہ شرماتی ہیں۔

**یوسف** "یہاں آپ کو تکلیف ہوتی ہوگی۔ ذرا سامنے کے کمرہ میں آرام کیجئے۔ کھانا بھی تیار ہے۔ مجھ کو تو ذرا اجازت دیجئے گا۔ زینب آپ کے پاس رہیگی"

اِس آواز نے زینب کے رہے سہے ہوش اَور بھی غائب کر دئے مگر اُس نے اپنے آپ کو سنبھالا اور دل میں کہا کہ عارف وہاں کیا کیا مصیبتیں جھیلتا ہوگا۔ مجھ سے یہ ذراسی مصیبت برداشت نہیں کیجاتی۔

**مسز یوسف** "میں بھی رخصت طلب کرتی ہوں۔ بھوک لگی ہوگی۔ کھانا میز پر منگواتی ہوں۔ زینب آپ کے ساتھ ہیں"

یہ اجنبی ایک خوش رُو چھبیلا جوان تھا۔ چہرہ پر سبزہ آغاز تھا۔ اور قسطنطنیہ سے سیدھا ایا صوفیا مسٹر یوسف کے خط پہنچنے پر آرہا تھا۔ ناظرین کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ یہ رابن کے سوا اَور کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا۔ کمرہ میں پُر تکلف کوچیں اور کرسیاں بچھی تھیں۔ اور رومی قالین کا فرش تھا۔ دیواروں اور چھتوں پر کاغذ کی چھینٹ لگی تھی۔ بیچ میں ایک میز گول بچھی تھی۔ اُس پر کاشانی مخمل کی مطلا اور مذہب ایک چادر تھی۔ بیچ میں ایک گلدستہ کلاں

جس سے خوشبو کی مہک تمام کمرہ میں پھیل رہی تھی دھرا تھا۔ گرداگرد اُس کے کرسیاں تھیں اور دیواروں کے متصل کوچیں پُر تکلف جس کو رومی زبان میں سوفہ کہتے ہیں اس خوش اندازی سے دھری تھیں کہ خواہ مخواہ اُن پر بیٹھنے کو جی چاہے۔ مسٹر رابن ایک کرسی پر بیٹھ گیا اور زینب سے کہا آپ سوفہ پر تشریف رکھیں۔ وہ بیچاری تو مٹی کی مورت تھی۔ رابن کے کہنے سے بیٹھ گئی۔

رابن "آپ کو بھی میرا کچھ انتظار تھا۔ مجھ کو تو ایک ایک گھڑی سو سو مہینے گذرتی تھی"

زینب کو تو اور ہی کسی کا انتظار تھا۔ اس کا وہ کیا جواب دیتی۔ اور فرض کیا کہ دل رکھنے کو کچھ دیتی بھی مگر یہ وفاشعاری سے دور تھا۔ یہ کیونکر ممکن تھا کہ اپنا حبیب نظروں سے غایب ہو اور اُس کی غیبت میں وہ الفاظ اُس کی زبان سے نکلیں جو موجودگی میں اُس کو پسندیدہ نہ معلوم ہوں۔ زینب نے گردن جھکالی۔

رابن "میں سمجھتا ہوں کہ تم مجھے بھول گئیں۔ وہ زمانہ نہیں یاد ہے کہ ساتھ پڑھا کرتے تھے اور تم کہا کرتی تھیں کہ رابن بڑا اچھا لڑکا ہے۔ اور جو چیز بھی کہیں سے ملتی آپ رابن کے لیئے ضرور بچا رکھتیں"

حقیقت میں زینب رابن کو بھول گئی تھی اور اپنے حبیب کے خیال میں محو تھی سوائے عارف کے اُس کے دل میں اور کوئی جگہ نہیں تھی۔ عارف نے تمام احساس کا احاطہ کر لیا تھا مگر رابن نے جو بچپن کا زمانہ یاد دلا کر سلسلہ ارتباط جمانا چاہا اُس کے ساتھ ہی معاً اُس کے مُنہ سے نکل پڑا کہ اور تم مجھے لڑکے اور لڑکیوں کے دق کرنے سے روکا کرتے تھے۔ اتفاقیہ یہ زبان سے نکل گیا۔ لیکن یہ بھی کہکر وہ پچتائی کہ ایسا نہو کہ عارف کی بیوفائی میں داخل ہو۔ پھر اُس نے اپنا لہجہ بدلکر کہا۔

زینب "مسٹر رابن میں آپ کی ویسی عزت کرتی ہوں جس طرح بہن کسی بھائی کی اور عزیز بھائی کی کرتی ہو۔ اس سے زیادہ اور کچھ نہیں ہو سکتا ہے کیونکہ میں سمجھتی ہوں کہ میرا رشتہ دُنیا سے کٹ کر اللہ کی طرف بندھ رہا ہے۔ دنیا کی بے ثباتی۔ اُس کی آناً فاناً گزرجانیوالی خوشیاں بالکل ہیچ معلوم ہوتی ہیں"

مسٹر رابن نے جو یہ سُنا تو ایک سناٹا سا اُس کے کانوں میں ہو کر گزر گیا۔ کہاں انتظاری اور مواصلت کی گفتگو کی اُمید تھی۔ کہاں خدا رسُول کی باتیں یہاں بھی

گلے پڑیں۔ لیکن پھر اُس نے کہا یہ کون سی بڑی بات ہے اپنی تقریر سے مجلس کی مجلس پر تو تو نے جادو کر دیا ہے یہ کیا مال ہے یہ بھی سمجھ جائیگی۔"

رابن "۔ اچھا زینب تو کیا ہوا تمنے اپنا پرانا تعارف تو نہیں بھلایا۔ وہ محبت جو بچپن کے زمانہ میں قایم ہو جاتی ہے اُس کا توڑنا نہایت مشکل ہے۔ اور اگر کوئی شخص توڑنے کی کوشش کرتا ہے تو صرف طرف ثانی ہی کو شاق نہیں گزرتا۔ طرف اول بھی اُس کو کچھ کم محسوس نہیں کرتا ہے۔"

**زینب** (رابن کی یہ بات سُن کر ہنس پڑی۔ کیونکہ ایک بچوں کی سی بات تھی) "مسٹر رابن مجھے اُسی نظر سے دیکھو جس سے کہ اُس زمانہ میں دیکھا کرتے تھے۔"

کیفیت یہ تھی کہ رابن زینب کو بہن اور زینب رابن کو بھائی کہا کرتے تھے۔ اُسی کا حوالہ زینب نے یہاں دیا۔ رابن بھی طبیعت دار تھا تاڑ گیا کہ بڑی دور پہنچی ہے۔ اور حقیقت یہ کہ اسکا جواب کیا ہو سکتا ہے۔

رابن "۔ مگر دنیا میں آکر دنیا سے زیادہ محبت ہو جاتی ہے اور جُوں جُوں ترقی کرتے جاتے ہیں عمر زیادہ ہوتی جاتی ہے۔ اُس محبت کو زیادتی ہوتی جاتی ہے۔ اور دنیاوی محبت کے کیا معنی ہیں کہ اُن چیزوں سے جو ہمارے آس پاس ہیں خصوصاً اُن اشخاص سے جو ہمارے قریب تر ہیں زیادہ تعلق بڑھ جاتے ہیں۔"

**زینب** "۔ اس سے یہ تو لازم نہیں آتا۔ کہ بھائی بہنوں کا تعلق بدل کر اور نوبت پیدا کر دے۔"

رابن "۔ ضرور لازم نہیں آتا مگر صرف اُسی جگہ کو جہاں قانون قدرت نے تبدیلی محال کر دی ہے۔ اور طبیعت کا رجوع طبیعت کی طرف آنا ضروری ہے۔ کیوں زینب قدرت نے جو ایک خاصہ انسانی پیدا کر دیا ہے اُسکا عمل قانون قدرت کے موافق ہو یا نہو۔"

**زینب** "۔ قانون قدرت کا عمل قانون قدرت کے مطابق ضرور ہو۔ صرف یہ غور طلب ہے کہ یکجائی اور یک جہتی بہر صورت لازمی ہے یا نہیں۔ اگر لازمی ہے تو تعلقات متعدد قرار پاتے ہیں۔ ان سب کے لیئے یکجائی لازمی آتی ہے۔ اور اُس سے صریح نتیجہ یہ پیدا ہوتا ہے کہ نہ مرد ایک تعلق پر

اکتفا کرے اور نہ عورت ۔"

یہ گفتگو یہیں ختم ہوگئی۔ کیونکہ میز پر کھانا آگیا۔ اور
مسز یوسف خود اپنے مہمان
کو لینے کے لیئے
آئیں ۔

# سُلطانی ڈنر ہال

میزوں پر طرح طرح کے کھانے چُنے ہوئے ہیں۔ نوکر اپنے قرینے سے کھڑے ہیں شام کا وقت ہے۔ مغرب کی نماز ہو چکی ہے۔ چراغوں میں بتی پڑ چکی ہے۔ دوست احباب دن بھر کی مشقت سے فراغت پا کر آپس میں ملتے ہیں اور آسمان و زمین کے قلابے ملاتے ہیں۔ کہیں اخباروں کا چرچا ہے جن میں لڑائی بھڑائی کی داستان زیادہ مرغوب طبع ہے۔ اور کہیں کتابوں کا ذکر ہے۔ کہیں راگ راگنیوں کا دور ہے۔ اعلیٰحضرت **سلطان** کے ہاں آج سفرا دول مہمان ہیں۔ اُن کے لیئے یہ سارا اہتمام ہے۔

مغربی تہذیب کا اقتضا ہے کہ وہ اثنار خورد و نوش میں گفتگو بھی کرتے جاتے ہیں۔ اور اُس وقت کی گفتگو کچھ ایسی پُر مذاق ہوتی ہے کہ شاذ و نادر دلچسپی سے خالی ہوتی ہے۔ اس وقت دسترخوان پر سفیر انگلش سفیر فرانس۔ سارڈینیا اور پائینو بجانیوالا لے بوکر نام بیٹھے ہیں اور کھانا چونکہ بے انتہا لذیذ ہے اس لیئے ایک نوالہ لیتے ہیں اور اُس کا مزا لے لیتے ہیں تو دوسرا اُٹھاتے ہیں۔ اعلیٰحضرت خود اس وقت بشاش نظر آتے ہیں۔ ان احباب کے آنے سے اُن کی کلفت یک گونہ دُور ہو گئی ہے اور یہ بھی ہوتا ہے کہ جس جلسہ میں سب کے سب شاداں اور فرحاں ہوں وہاں ایک غمگسار بھی اُنہیں جیسا بن جاتا ہے۔ اُن کی خوشی کی وجہ چاہے کچھ ہی کیوں نہ ہو لیکن اس بات کا شکر ہے کہ وہ بشاش ہیں۔ ایک طرف سفیر دول انگلش و فرنچ میں اشارے ہو رہے ہیں کہ تم سلطان کا جامِ صحت پروپوز کرنا۔ اِدھر سلطان کنکھیوں سے اُن کی حرکات سکنات کا اندازہ کرتے جاتے ہیں اور دل ہی دل میں کہہ رہے ہیں کہ کھانا ختم ہوتے ہی ان کا جامِ صحت میں خود پروپوز کروں گا۔ اتنے میں کھانا ختم ہوا۔ چاء لائی گئی انگلش اور فرنچ سفرا اس امر کے تو منتظر تھے ہی کہ کھانا بڑھے تو شروع کریں۔ فوراً اُٹھکر سلطان سے اجازت چاہی کہ کچھ عرض کرنا چاہتے ہیں۔ سلطان نے ہنس کر کہا شوق سے فرمائیے۔

**سفیر انگلش** :۔ (کھڑے ہو کر) کھانا کھانے کے بعد کچھ طبیعت کو ایسی فرحت حاصل ہوتی ہے کہ خود بخود زبان سے اظہار مسرت ہونے لگتا ہے (قہقہہ) اُس جگہ اور مسرت کا اظہار زبان

کیوں نکرے جہاں کھانا اس تکلف سے ہو اور اس قدر مزیدار کھانا ہو کہ ابتک لذت ہونٹوں سے
دُور نہیں ہوئی ہے۔ اور جبکہ خاص بارگاہ عالی میں دخل ہو تو اُس کا حال تو پُوچھا ہی نجائے
میں خیال کرتا ہوں کہ اگر میں اَور چند سے توقف کرتا تو زبان ضرور مُنہ سے باہر ہو کر خود ہی
رطب اللسان ہوتی۔ اس میری تقریر سے آپ صاحبوں کو خود اندازہ ہو گیا ہوگا کہ مجکو فرحت
اور مسرت ادنٰے درجہ کی نہیں ہے۔ اُس کو اَور بھی افزونی اور فراوانی حاصل ہو۔ اگر آپ مجھے
جامِ صحت پینے کی اجازت دیں اور اس موقع پر سب سے پہلے میں حضرت سُلطان اُم ملکہ
کا جامِ صحت پروپوز کرتا ہوں "

جامِ صحت کہنے کے بعد تمام جلسہ کے لوگ کھڑے ہو جاتے ہیں اور جو گلاس کہ اُن کے
سامنے رکھا ہوتا ہے اُس کو اپنے مُنہ تک ہیر پھیر کرتے ہوئے لیجاتے ہیں چنانچہ انہوں نے
بھی ایسا کیا۔ اسی طرح سے تین مرتبہ سُلطان کا جامِ صحت تینوں سفیروں نے علیحدہ علیحدہ
پیا۔ اس کے بعد سلطان کھڑے ہوئے۔

**حضرت** "۔ آپکے اظہار اتحاد سے مجکو وہ فرحت حاصل ہے کہ اس عرصہ میں کبھی حاصل نہیں
ہوئی۔ جس وقت کہ کھانا آپ ابھی کھا ہی رہے تھے اُس وقت میں نے آپ کے اشاروں
سے دریافت کر لیا تھا کہ آپ کا مدعا کیا ہے۔ اور یہ چاہتا تھا کہ آپ دونوں صاحبوں سے
سبقت لیجاؤں مگر آپ نے جلدی کی اور اپنے جوش میں سب سے سبقت لیگئے "

اس کے بعد سلطان اتحاد کی گفتگو کرتے رہے۔ جب ختم کر چکے تو ملکہ انگلستان
مدبرانِ انگلستان اور سفیر انگلستان۔ شاہِ فرانس۔ مدبرانِ فرانس اور سفیر فرانس اور
سارڈینیا کا بھی جامِ صحت نہایت زور شور اور جوش خروش کے ساتھ پیا۔ اس کے بعد
کچھ باجوں بجایا گیا اور ماہرانِ فن نے اپنے اپنے کمال کی داد دی +

# اباصوفیہ

ہمنے اپنے نوجوانوں کو کھانے کے کمرہ میں چھوڑا ہے۔ یہاں بھی دُور ہی دُور سے زینب اور راہن کی طرف اشارے کنائے ہو رہے ہیں۔ راہن اس گھمنڈ پر بھولا تھا کہ مَیں اپنے ارادوں میں کامیاب ہوں گا۔ اور کیوں وہ اس کا گھمنڈ نکرتا۔ پیغام زینب کے باپ ہی کی طرف سے تھا اور اِس نسبت سے اگر قرار پا جائے تو سارے گھر کو خوشی تھی۔ دوست احباب بھی اس خوشی سے محروم نتھے مگر کون جانتا تھا کہ کیا کرایا سا کھیل مٹی ہو جائیگا۔ زینب اپنی آنکھیں نیچی کئے بیٹھی تھی اور دل ہی دل میں کہہ رہی تھی کہ یا بارخدایا تو مصیبت کا دُور کرنیوالا ہے۔ اِس خیال میں اس قدر غرق ہے کہ اُس کو خبر بھی نہیں تھی کہ میں کیا ہوں اور کہاں ہوں۔ کھانا سامنے آجاتا تھا اور نوالہ خود بخود اُٹھکر مُنہ تک چلاجاتا تھا۔ سب سے زیادہ خوشی اس تمام جلسہ میں زینب کی ماں کو تھی وہ بھی سمجھ رہی تھی کہ لڑکی کا دولھا آیا ہے۔ اظہار مسرت میں کوئی خامی نہو۔ اور بار بار مسٹر یوسف کو کودتی تھی کہ یوں تو جلسوں میں سپیچ دینے کے تم حاتم ہو۔ مگر ایسا نہو کہ یہ موقع یوں ہی خالی جائے۔ اُدھر راہن مضامین اپنے دل میں گانٹھ رہا تھا کہ اس طرح سے جادو کرونگا۔ کھانا بڑھایا گیا۔ چاء آئی اور مسٹر یوسف اپنی تقریر کے واسطے کھڑے ہوئے۔

**مسٹر یوسف** :- ہمارا دستور ہے کہ کھانے کے بعد کچھ تفریح کی باتیں ہوں جس سے آسودہ طبیعت کو اَور زیادہ آسودگی حاصل ہو۔ دنیا میں خوشی کے سوا اَور کوئی شے قابل قدر نہیں ہے۔ اِس لیئے جو زمانہ کہ اس مسرت میں گذر جائے وُہی غنیمت ہے۔ کسی کو ستاکر خوش ہونا ہمارا شیوہ نہیں۔ راستی ہمارا چلن ہے اور جتنی دور کر اِس وقت مَیں نظر ڈالتا ہوں ہمارے خاندان میں راستی چلی آئی ہے۔ اور جن کو اِس وقت کہ فروغ ہے وہ بھی راستی ہی کے باعث ہے۔ ہمارا رابطہ مسٹر بانجامن سے چار پشتوں سے چلا آتا ہے۔ ہمارا اتحاد کوئی آج کا اتحاد نہیں ہے۔ ہمارے دلوں میں۔ رگوں میں۔ خون میں وہ محبت جم گئی ہے کہ جو دُور کیئے دور نہیں ہوسکتی۔ ہم نے جلسوں میں اُن کے جام صحت پیئے ہیں

ہمکو اُن کے نام سے وہ خوشی حاصل ہوئی ہے کہ کسی اَور طرح پر ہرگز ممکن نہیں۔ اور اِس لیئے آج کا دن ہمارے واسطے بڑا مبارک دن ہے کہ مسٹر بانجامن کے نورِ نظر کو مسٹر بانجامن کے لختِ جگر کو ہم اِس مجمع میں جمع دیکھتے ہیں اِس سے بڑھکر کوئی خوشی ہمارے لیئے اَور نہیں ہو سکتی۔ کہ وہ رابطہ جو ایک عرصہ کا قایم شدہ ہے ایسی گرہ سے بندھ جائے کہ پھر مدت العمر نہ ٹوٹے۔ اور ہماری آیندہ نسل کی محبت اور سُنی سنائی اتحاد پر ہی منحصر نہ ہے بلکہ کوئی شئے ایسی ہو جو دونوں خاندانوں کو ایک کردے" اس طرح سے مسٹر یوسف کچھ عرصہ تک تقریر کرتے رہے اور اشارتاً اور کنایتاً اپنے منشار کو بدلائل قوی مضبوط کرتے رہے۔ آخر میں مسٹر بانجامن اور مسٹر رابن کا جام صحت پیا۔

**رابن** :- مسٹر یوسف کی تقریر نے اِس جلسہ پر اور خصوصاً مجھپر وہ اثر ڈالا ہے کہ جس کا حد و حساب نہیں۔ حقیقت میں جو کچھ کہ اِنہوں نے فرمایا ہے وہ سب حرف بحرف راست ہے۔ فرق سرِ مو نہیں۔ میرے والد ماجد اور مسٹر یوسف کا اتحاد اسی قسم کا ہے کہ دنیا کے لیئے ایک نظیر ہو۔ وہ بھی یہی چاہتے ہیں کہ رابطہ کا استحکام ہو۔ یہ ساری دنیا جو ہماری نظروں کے سامنے ہے۔ یہ تمام پھول پات یہ رنگارنگ کے میوے یہ انوکھی صورتیں۔ یہ چونکا دینے والے خیالات کیا ہیں۔ خدا کی مخلوق ہیں۔ ایک ذرہ کو دوسرے ذرہ کے ساتھ لگاؤ ہے۔ ایک رنگ کا دوسرے رنگ کے ساتھ رشتہ ہے۔ ایک فرد کو دوسرے فرد کے ساتھ محبت ہے۔ کیا ہے یہ کائنات۔ کچھ نہیں۔ صرف اُسی قادر مطلق کا پرتو ہے۔ اور محبت کے سلسلہ میں مربوط ہے۔ اگر پانی کو ترکیب کیمیاوی سے جُدا کرو تو دونوں جز ہوا بنکے اوڑجا ئینگے۔ اگر مقناطیس کو لوہے کے پاس لیجاؤ تو ایک دوسرے کو کھینچ لیگا۔ اگر انہیں دونوں کو حرارت دیکر ملا دو تو لوہا بھی مقناطیس بن جائیگا اگر چراغ نہو تو رات کو ہم دیکھ نہیں سکتے۔ اگر دن کو سورج نہ نکلے تو دن بھی اندھیاری رات سے بدتر ہے۔ چاند سورج اور ستارے تمام اجرام فلکی کو ایک خدمت سپرد ہے اور یہ خدمت اُن کے لیئے محبت ہے اور یہی محبت کا سلسلہ تمام دنیا میں پھیلا ہے۔ اگر مسٹر یوسف کو مسٹر بانجامن سے ایک خاص اُنس ہے تو یہ بھی اُسی محبت کا ایک سلسلہ ہے۔ اگر دونوں اُسی محبت کو اَور مستحکم کرنا چاہتے ہیں تو یہ بھی اُسی خداوند کریم کے سلسلہ کی تائید ہے اور مجھکو اِس موشن کے ساتھ خاص اتفاق ہے۔ اگرچہ تجھے اِس راز کو نہیں سمجھتی

اگرچہ عوام کو نہیں معلوم ہوتا کہ مخلوق کیا ہیں اور کیوں ہیں۔ لیکن کیا اگر اُن کے سامنے بیان کیا جائے۔ مثالوں کے ذریعہ سے سمجھایا جاتے تو کیا پھر بھی وہ نہیں سمجھ سکتے۔ ہمارا اصلی فرض۔ اوّل فرض اور اعلیٰ فرض یہی ہے کہ اُس تناسب کے سلسلہ کو اُن تناسبوں کے ذریعہ سے مستحکم کر کے آپس میں محبت کا سلسلہ قایم کردیں۔ مجھے صرف ایک بات اَور کہنی باقی رہ گئی ہے اُس کے بعد مَیں بیٹھ جاؤں گا۔ بیفائدہ آپکی سمع خراشی نہیں کروں گا۔ یہ مضامین اِس وقت کے مناسب بھی نہیں لیکن ضرورت کہواتی ہے کہ خدا کی محبت اصل نیکی ہے۔ لیکن یہ نیکی اَور مدارج کے طے کرنے کے بعد حاصل ہوتی ہے اگر مَیں زبان سے کہدوں تو کیا مجھے وہ بات نصیب ہوجائیگی۔ نہیں ہرگز نہیں۔ جہاں اَور چیزوں کو تعلیم کی ضرورت ہے قلب کے توا بھی تعلیم چاہتے ہیں اور اِس تعلیم کے لیئے ادنیٰ ترین دنیاوی محبت ہے۔ ایک طرف قلب کا رجوع ہونا لازم ہے۔ اُس رجوع ہونے میں استحکام اور فراوانی ایسا ہوجائے کہ اَور طرف کا خیال ہی باقی نہ رہے۔ جہاں یہ یکجہتی حاصل ہوگئی تو سمجھنا چاہیئے کہ وہ دن عنقریب ہے کہ رشتہ یہاں سے منقطع ہوکر اُس خالق سے بندھنے والا ہے جس کو کبھی زوال نہیں۔ جو کچھ کہ مجھے عرض کرنا تھا میں سب کہہ چکا ہوں۔ صرف اِس امر پر ختم کرتا ہوں کہ جہاں کہیں محبت کا سلسلہ قایم ہو ہماری کوشش یہی ہونی چاہیئے کہ وہ سلسلہ اَور ترقی پاوے۔ اور کوئی اگر کسی کی طرف رجوع ہو تو اُس کو غنیمت سمجھنا چاہیئے کہ کوئی ہماری طرف رجوع ہے"

ناظرین کو واضح ہوگیا ہوگا کہ اِن سپیچوں سے غرض و غایت کیا ہے۔ اور اِس میں حوالے کس مطلب کے لیئے دیئے گئے ہیں۔ سچ یہ ہے کہ سُننے والوں کے اوپر اِس کا پورا اثر ہوا لیکن جس پر کہ اثر ڈالنا مقصود تھا وہ اِس سے مطلق متاثر نہیں ہوئی اور آخری فقرہ جو اُن کے مطلب کو قوی کرتا تھا اُس نے زینب کو اپنے ارادوں میں اَور زیادہ قوی کردیا۔ اُس نے اپنے دل میں اِس امر کی قسم کھالی کہ کچھ ہی کیوں نہ ہو عارف کا خیال ہرگز دل سے جُدا نہ ہوگا۔ بہت ہوگا اذیت دینگے تو دیا کریں۔ عارف کی خاطر سب گوارا ہے مجھے اذیت۔ اذیت خدا کے فضل سے معلوم ہی نہیں ہوگی۔ اذیت دینے والوں کی نظروں ہی میں اذیت ہوگی ٭

یہ سین تو ختم ہوا۔ اِس کے بعد بھی بلطایف الحیل زینب کو راضی کرنا چاہا کہ راہ بن سے

نسبت قبول کرے مگر ایک نا جو نکل چکی تھی وہ ہوتی ہاں کیونکر۔ رابن کا سارا فلسفہ یہاں آکر ختم ہو گیا اور معلوم ہو گیا کہ میرا علم کس قدر بے بنیاد ہے۔ کیونکہ جس طرح سے وہ گفتگو چھیڑتا اُسی میں اُس کو زک ملتی۔ رابن اپنے فلسفہ پر ناز کرتا تھا اور اپنی سحر گفتاری کے گھمنڈ پر چڑھا تھا۔ یہاں زینب کے دل میں فراقِ یار کے سوا اور کچھ تھا ہی نہیں۔ رابن سوچ سوچ کے دلائل پیش کرتا تھا۔ زینب کے مُنہ سے جو کچھ نکل گیا تھا وُہی جواب تھا۔ مگر کبھی ایسا موقع ہی نہ آیا کہ وہ کسی طرح سے بند ہوتی۔ اللہ نے اُس کو ثابت قدم رکھا اور کسی طرح سے لغزش نہ آنے دی۔ جب دیکھا کہ ہر طرح سے مجبوری ہے اور کسی صورت سے دال نہیں گلتی۔ اور زینب کی بے مرضی اگر نسبت قرار پا بھی گئی تو وہ نسبت کس کام کی۔ آخر ہار تھک کر قصد پھر روانگی کا کر دیا۔ مسٹر یوسف بہت کہتے رہے کہ ذرا اَور ٹھہر جاؤ۔ اور دو چار روز دیکھلو۔ تحفہ تحائف دیکر۔ دلائل پیش کر کر۔ رابن کا یہی جواب تھا کہ نہیں کبھی امر کی پذیرائی نہیں ہو گی۔ وہ اپنے وصن میں پوری ہے اور اُس نے بہن بھائی کی محبت کا وعدہ کیا ہے۔ رابن روانہ ہو گئے۔ دل تو نہیں چاہتا تھا کہ جائیں۔ لیکن ٹھہرنا بھی بے سُود تھا۔ چلتے وقت ایک خط زینب کے نام زینب کے کمرہ چھوڑ گئے اور اُس میں اپنے دل کے سارے بخار نکال گئے۔ اِدھر تو یہ ہو رہا تھا۔ اُدھر پلونا کے غازی ہتھیلی پر سر دیئے منتظر تھے کہ اب جنگ ہوا چاہتی ہے۔ غازی قیدی یعنی خلیل اور ابراہیم بھی روسی کیمپ میں اب ذرا آزاد تھے۔ کیونکہ جب دیکھا کہ ان کو دنیا سے تو کوئی مطلب ہی نہیں تو بیفائدہ اِن سے اُلجھنا بے سُود ہے۔ اور اِنہوں نے بھی کہا کہ ذرا اعتبار اَور جم جائے۔ واقفیت ہو جائے تو یہاں سے چلتے بنئے۔ اب اُن کا یہ حال ہو گیا تھا کہ رُوسی خود اُن کی ٹہل میں لگے رہتے +

# پلونا کا چوتھا معرکہ

غازیوں کے کیمپ کا حال ناگفتہ بہ ہے۔ تینوں حملوں میں اگرچہ مشیر کی بیدار مغزی اور تائید غیبی سے فتح نصیب ہوئی اور فتح بھی وہ کیسی کہ جس پر خود روسی رشک کرتے تھے مگر مدد کے نہ آنے اور رسد کے تھڑ جانے۔ دغابازوں کے پیدا ہوجانے سے غازیوں کے دل کچھ کم ہمت ہو گئے تھے۔ مورچے سب ویسے ہی تھے۔ استحکام اُن کا بدستور تھا۔ مشیر کی کوششیں نت زیادہ تھیں مگر خودغرضی کا مرض اس کیمپ میں بھی باوجود مشیر کی کوششوں کے آہستہ آہستہ پھیل چلا تھا۔ اور افسر تھے جو سب سے پہلے اس سے متاثر ہوئے۔ جو غازی تھے دل سے اُن کا تو یہ عالم تھا کہ ہمیں موت قبول ہے زندگی درکار نہیں اس لیئے نہیں کہ شہید کھٹ سے بہشت میں چلے جاتے ہیں حور اور غلمان خدمت کے لیئے تیار ہوتے ہیں۔ نہیں کوئی نفسانی خواہش اُن کی پاک طبیعت کو آمادہ کرنیوالی نہیں تھی۔ وہ صرف یہ چاہتے تھے کہ ہم چاہے نہ رہیں لیکن اس دنیا میں اسلام اور مُسلمانوں کا نام باقی رہجائے۔ اُدھر ناپاک طبیعت کے لوگ آپس میں کہتے تھے کہ میاں تھک گئے جنگ کرتے کرتے۔ سارے میں تو رُوسی تسلط ہوگیا ہے۔ اب یہاں ڈیرہ ڈالے رکھنے کا نتیجہ کیا۔ کیوں رُوسی اطاعت قبول نہیں کر لیتے۔ روس کیا کھا جائے گا مفت میں بندگان خدا کا نقصان کیا جا رہا ہے۔ ادھر غازی وہ غازی جو دل سے غازی تھے اسلام کے نام پر مرتے تھے اور اپنے جان و مال کو اُسپر سے تصدق کرنے کو تیار تھے موت ایک روز ہے۔ اول ہے آخر ہے۔ لیکن ایک ہی موت ہونا بے شرمی کی زندگی سے روز مرنا تو اچھا نہیں۔ غایت یہاں ہماری موت سہی۔ اور فرض کیا کہ مر گئے۔ مگر وہ کام جو کر جائیں گے وہ تو مٹائے نہیں مٹنے کا +

اسیطرح سے روز کھچڑیاں پکا کرتی تھیں۔ بعضے تو روز ہیر بنے جاتے تھے اور بعضے روز شیر میدان۔ اس عرصہ میں مشیر کی صلاح عارف سے ٹھہری کہ آپ کل ذرا وعظ سے کچھ سپاہیوں کے دلوں کو ہلادیں۔ ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ یہ آخری معرکہ ہے۔ کچھ کیفیت

عجیب سی نظر آتی ہے مگر ہمت نہیں ہارنی چاہیئے۔ عارف اگر تمہارے دوست ابراہیم اور خلیل آجاتے تو اچھا ہوتا۔ معلوم ہوتا ہے کہ روسیوں نے اُن کو مار ڈالا۔ ورنہ زندہ ہوتے تو ابتک کبھی کے آجاتے ؟

**عارف** "حضور صرف ایک ہفتہ گزرا ہے۔ وہ ضرور آئینگے اور آیندہ معرکہ سے پہلے آئیں گے "

**مشیر** "ہاں آ بھی جائیں ہماری تدبیریں تو ختم ہو گئیں وُہی آ کر کچھ سمجھائیں "

**عارف** "اُن سے تو آپ خاطر جمع رکھیں۔ مگر میں دُوربین سے دیکھتا ہوں۔ کہ چاروں طرف تل رکھنے کی جگہ نہیں "

**مشیر** "ظالموں نے چاروں طرف سے گھیر لیا ہے اور کوئی مدد کی اُمید نہیں "

**عارف** "افسوس ! افسوس !! "

**مشیر** "افسوس کی کوئی بات نہیں۔ اللہ کو یونہی کرنا منظور ہے۔ کوئی تو اس میں مصلحت ہے سمجھو کہ اسی میں ہماری طاقت ہے۔ حضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ غزوۂ اُحد میں ملائکہ اور اجنہ مددگار تھے۔ ممکن ہے کہ ہماری مدد خود سرورِ کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کریں اور اللہ کی طرف سے فتح اور نصرت کی بشارت لائیں۔ اور یہ ذرہ سی زمین پھیلتی پھیلتی تمام دنیا میں چھا جائے۔ وہ دشمن جنہوں نے ہمارا راستہ بند کیا ہے اُن پر بھاری ہوں "

اس کے کہنے سے عارف کی آنکھوں میں کچھ آنسو بھر آئے اور رگوں میں اسلامی خون زیادہ سرعت کے ساتھ جوش کرنیلگا۔ کہا:۔

**عارف** "حضور سچ فرماتے ہیں "

اتنے میں دیکھا کہ دو آدمی تن تنہا ہانپتے کانپتے مقابل کی سمت سے چلے آتے ہیں۔ اُن کی ہیئت کچھ عجیب ہے۔ اُن کے جسم پر لباس کوئی نہیں۔ پا برہنہ ہیں۔ مگر اس قدر تیز دوڑنے والے ہیں کہ گھوڑا سوار بھی اُن کو پکڑ نہیں سکتا۔ اور کچھ اس اندازسے کترا کر بھاگتے ہیں کہ گولی مارنے والا بھی تنگ ہوتا ہے۔ تانتیا بھیل ایک مشہور ممالک متوسط کے ڈاکو کی نسبت سُنا گیا ہے کہ وقتاً فوقتاً ہزاروں گولیاں اُس کے اوپر چلائی گئیں مگر ہر موقع پر وہ گولیاں خطا گئیں۔ اِن کا بھی وہی انداز تھا۔ برابر دوڑتے ہوئے آتے

اور مشیر کے خیمہ پر آن کر ٹھہرے۔ کیمپ میں بھی کسی نے اُن کو نہ روکا۔ جانا نہ کہ دونوں ہیں کیا کر لینگے۔ واہ رے مسلمانوں کی بے غمی۔ تمہارے جتنے کام ہیں وہ انتہا کو پہنچے ہوئے ہیں۔ آتے ہی مشیر کو سلام کیا اور کہا کہ حضور نرغہ ہو گیا ہے کوئی دیر نہیں۔ ہے راتوں رات ہی یہاں آن پڑیں گے۔ آج شام تک جو کچھ کرنا ہے کر لیجئے۔ چاروں طرف سے اُن کا حملہ ہے۔ کوئی صورت ایسی نہیں بتلائی جا سکتی کہ جس میں ہماری بھلائی ہو۔ شمال کی طرف زار روس کے ولیعہد خود کمانڈر ہیں اور جنوب کی طرف یورپ کا سب سے مشہور فیلڈ مارشل ڈیوک آف الوا ہے۔ چاروں طرف سے نرغہ ہے اور ہر طرف سے ایک ساتھ بیس لاکھ فوج پلونا کے اوپر ٹوٹ پڑے گی اور ایک لاکھ توپوں کی مار پلونا پر اُس وقت تک رہیگی جب تک کہ پلونا فتح نہ ہو لے گا۔ اس صورت میں کیا کرنا چاہیئے آپ سمجھ لیں۔

**مشیر**:- کوئی اندیشہ نہیں ہے۔ خلیل ابراہیم۔ تم دونوں آرام کرو۔ تمنے بڑی بڑی سختیاں گوارا کی ہونگی"۔

**خلیل**:- "سختی تو صرف اسیقدر تھی کہ زیر حراست تھے"۔

**ابراہیم**:- "ہمکو یہ ساری سختیاں منظور ہیں مگر اسلام کو داغ نہیں لگا سکتے"۔

**مشیر**:- "شاباش ہے غازیو شاباش"۔

**خلیل**:- "ہر چند فقیرانہ لباس میں اُن کو ڈرایا"۔

**ابراہیم**:- "ہر چند نقصان کا خوف دلایا"۔

**مشیر**:- "کہ پلونا فتح نہیں ہونیکا"۔

**خلیل**:- "جی ہاں۔ مگر کہتے ہیں۔ کیا کریں۔ معاملہ شروع جو کر بیٹھے۔ اب کیونکر بند کریں۔ اوروں کی شماتت کا خیال ہے۔ ورنہ ہم تو راضی نہیں۔ کہ جنگ ایک منٹ بھی ہو"۔

**ابراہیم**:- "ارادے ہوتے ہیں منصوبے بندھتے ہیں اور پھر رہ جاتے ہیں معلوم نہیں کیا بھید ہے"۔

**مشیر**:- "تو خیر۔ ایسے بیس لاکھ کیا اگر پچاس لاکھ بھی ہوں تو بھی کوئی اندیشہ نہیں"۔

**خلیل**:- "جی جناب"۔

براہیم :- ہم تو آخری موت کے لیئے تیار ہیں "
مشیر :- اچھا تو لوگوں کے دلوں کو ذرا اَور برانگیختہ کردیں کچھ مُردہ دل ہو گئے ہوں گے"
عارف ۔خلیل اور ابراہیم باہر آئے۔ سواروں کے ذریعہ سے اطلاع دی گئی کہ سب جمع ہو جائیں۔ خود مشیر کچھ آج اپنی زبان سے کہینگے۔ آن کی آن میں خبر ساری کیمپ میں منتشر ہوگئی اور جوق کے جوق کیا سپاہی کیا افسر مسلح بجیں آکر جمع ہو گئے۔ ادھر سے مشیر بھی تشریف لائے۔ مسجد کے منبر پر مشیر کھڑے ہو گئے اور غازیوں میں اشارہ ہو گئے۔ یا کل کا معرکہ لے لیا۔ ورنہ یہیں شہید ہیں +
مشیر :- اے غازیو۔ دنیا ہمیشہ رہنے کی جگہ نہیں۔ عمریں کسی کی قایم رہنے والی نہیں۔ اس میں میں ہوں تم ہو یا کوئی اَور ہو۔ کفار کے لیئے موت کے بعد کوئی دوسری زندگی نہیں۔ اسلام میں دارالبقا اَور ہے۔ دنیا سفر کا مقام ہے۔ اے غازیو ناپائدار زندگی کو ہیچ سمجھنے والو۔ اسلام کے نام پر مرنے والو! شہید ہونا بہترین زندگی ہے۔ ننگ و ناموس کی زندگی تمہارے لیئے زیبا نہیں۔ تین کروڑ مسلمان اس اسلامی خطہ کے اور پانچ کروڑ ہندوستان وغیرہ کے اور باقی اَور کئی کروڑ مسلمان نہایت شوق سے تمہاری ہمتوں اور تمہاری بہادریوں کی طرف دیکھتے ہوں گے۔ تمہاری جمعیت پچاس ہزار سے کم ہے۔ تمہارے مقابلہ میں تیں لاکھ فوج چاروں سمت سے ایک آن واحد میں ٹوٹ پڑنے کو تیار ہے لیکن تمہیں کوئی خوف وہراس ہے۔ میں نہایت زور دیکر کہتا ہوں اور جو کچھ کہ میں کہتا ہوں اس کا شاہد میرا خدا ہے۔ وہ خدا ہے جس نے رتبہ اسلام کا تمکو بخشا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ تمہیں کوئی خوف وہراس نہیں۔ اے غازیو! ایک ایک کر کے کٹ جاؤ۔ جب تک دم میں دم باقی ہو ایک چپہ بھر زمین مردودوں کو ندو۔ کیا غلامی کی زندگی تمکو پسند ہوگی۔ کیا تم اپنی آنکھوں سے دیکھ سکو گے کہ جہاں اسلامی جھنڈہ پھریرے لے رہا تھا وہاں اب رُوسی جھنڈا بلند ہو۔ اگر دیکھ سکو گے تو تف ہے ایسی زندگی کے اوپر (**نعرہ ہرگز نہیں ہرگز نہیں**)۔ اگر دیکھ سکو گے تو ہمکو تم سے کوئی واسطہ نہیں۔ جدھر تمہاری طبیعت چاہے جاؤ۔ ہم تو اسی زمین کے پیوند ہونگے (**نعرہ اور ہم بھی**)۔ ہمسے نہیں دیکھا جاتا ہے کہ پھولا پھلا اسلام پیروں کے نیچے یوں روندا جائے۔ وہ بھی تو کوئی تھے جنہوں نے کفار کی تعداد کو کچھ تعداد نہیں

سمجھی (نعرہ اور ہم بھی نہیں سمجھتے) ۔ ہزاروں سے لاکھوں کا مقابلہ کرتے تھے اور آن کی آن میں سارا فیصلہ تھا (نعرہ اللہ اکبر) کیا تم مسلمان نہیں ہو۔ اگر تعداد سے ڈرتے ہو تو ڈوب مرو۔ ہمارا تم سے کوئی واسطہ نہیں ۔ بیس لاکھ کی کیا حقیقت ہے (نعرہ بیشک) ہم میں بعضے وہ لوگ ہیں کہ جن میں سے ایک ایک لاکھ کے اوپر بھاری ہے (نعرہ بیشک) ۔ اور اگر سب ایسے ہی اسلامی جوش سے بھرے ہوں ۔ تو بتلاؤ اے اسلام کے نام لینے والو کہ آیا تمہاری تعداد زیادہ ہے یا اُن کی ۔ مجھ سے اور زیادہ نہیں کہا جاتا ہے ۔ اسلام کی حالت دیکھکر دل بھرا آتا ہے مگر اُمید کرتا ہوں کہ تم میں سے ہر ایک ثابت کر دے گا کہ جو تم میں سے مسلمان ہیں وہ وہ کام کر سکتے ہیں جو کفار سے کسی طرح ممکن نہیں ۔ تمہارے لیئے بہشت منتظر ہے ۔ نبی آخر الزمان (صلے اللہ علیہ وسلم) خود تمہارے منتظر ہیں ۔ دیکھو میں دیکھو اہل ہمت کرو"

مشیر کا اپنی زبان سے اسقدر کہنا کوئی معمولی اثر پیدا کرنے والا نہیں تھا ۔ تمام کی کیفیت یہ تھی کہ اگر ساری دنیا بھی اس وقت اُمنڈ آتی تو سینہ سپر کرنے کے لیئے موجود تھی اور مرنا اور راہ خدا میں جان دینی تو ایک ذرہ سی بات تھی ۔ اس کے بعد عارف نے ۔ پھر خلیل اور پھر ابراہیم نے اُس جوش و خروش کے ساتھ آواز سے بلند کیئے کہ جسم بہادروں کے تھرانے لگے ۔ عارف میں ایک بات اور بھی کہ وہ قدرتی طور پر فصاحت کی روز سے واقف تھا ۔ اُس نے اس موقع پر دلوں کو ایسا ہلایا کہ نیست کے سوا ہست کا خیال باقی ہی نہیں رہا ۔ مگر اب بھی بہتیرے ایسے تھے جو اپنی سیاہ قلبی کی بدولت اتنا بھی تو نہیں سمجھ سکتے تھے کہ اسلام بھلا کہتے کس کو ہیں ۔ رُو سیاہ ایک طرف مونھ کر کے ہنستے تھے کہ دیکھو مفت کی موت میں آپ جاتے ہیں ہمکو بھی گھسیٹتے ہیں ۔ کہاں بیس لاکھ اور کہاں پچاس ہزار ۔ ہر ایک کے حصہ میں چالیس پڑے اور خیر سے پچاس ہزار بھی پورے نہیں ۔ خیر جو قسمت ؛

اب دیکھو قسمت کے قائل تو یہ بھی ہیں ۔ مگر اتنی ہمدردی نہیں کہ اسلام کا خیال کریں ۔ نفسی نفسی پڑی ہوئی ہے ۔ اور نفسی کے معنی کیا ہیں ۔ نہ ہم رہیں نہ اسلام رہے مگر اسلام کا محافظ اللہ ہے ۔ جو اُس کے بدخواہ ہیں وُہی نہیں ہیں گے اور مُنہ کے بل

مُسلمان تو بدترین دشمن اسلام ہیں۔ اور انہیں کا زیادہ خوف ہے۔ مگر تا بکے۔ یہ نہ رہینگے اَور مُسلمان پیدا ہو جائیں گے۔ وہ جو سچے دل سے مُسلمان ہیں جن کا اسلام اللہ کی رضا جوئی کے سوا اَور کچھ نہیں چاہتا۔

ابھی صبح ہونے بھی نہیں پائی تھی کہ چاروں طرف سے گولہ باری شروع ہو گئی اور اس زور شور کے ساتھ کہ الامان والحفیظ۔ صرف آواز ہی دماغ پراگندہ کرنے کے لیئے کافی تھی۔ اور اُس کے آڑ میں رُوسی سپاہی اُمڈ نے شروع ہو گئے۔ مشیر نے یہ حکم دے رکھا تھا کہ اپنے مورچوں پر قایم رہو۔ جب تک رُوسی نزدیک نہ آجائیں تب تک سر نکالو اور جب نزدیک آجائیں گے اُن کی گولہ باری اب فرو ہو جائیگی۔ اپنے توپخانہ کو بھی یہی حکم دیا تھا کہ رینج لینے کے بعد اَور گولہ نہ چلاؤ اور زد کے اندر جب تک رُوسی نہ آلیں گولے مت چلاؤ۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ اور اس کا اثر جیسا کچھ کہ ہونا تھا ہوا۔ اب دست بدست کی ٹھہر گئی۔ تُرکی گولی چلانے میں اپنے دشمنوں کے مقابلہ میں بدرجہا چالاک تھے مگر تعداد کی کمی کو تو پورا نہیں کر سکتے تھے۔ اُس کے لیئے مشیر نے ایک ریزرو گارڈ علیحدہ کر رکھا تھا۔ اب شمال کی طرف لوگ پسپا ہونے لگے۔ شمال کی طرف مدد بھیجی اب جنوب کی طرف مغلوب ہو چلے۔ جنوب کی طرف کمک روانہ کر دی۔ اس طرح سے بارہ[12] دن کے بجا دیئے۔ لاشوں کے ڈھیر لگ گئے مگر جنگ کی گرم بازاری میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی۔ ترکی اپنے مورچوں سے علیحدہ ہو نہیں سکتے تھے۔ اِدھر روسیوں نے یہ انتظام کر رکھا تھا کہ ایک دستہ ذرا تھک گیا دوسرے کو بھیجدیا دوسرا تھک گیا تیسرے کو۔ وہاں تو پولو کا کھیل تھا کھلیاں ہو رہا تھا یہاں مُسلمانوں کا۔ مگر واہ رے شیر عثمان۔ جنگ کرانا اس کو کہتے ہیں کسی طرف سے ذرا بھر بڑھنے ندیا۔ تمام کوششیں رائگاں گئیں۔ لیکن اِس وقت ایک اَور خرابی لاحق ہوئی جسکے واسطے مشیر تیار نہیں تھے۔ دستہ کے کمانیروں نے ایک زبان ہو کر حضور میں عرض کیا کہ اب مقابلہ کی تاب نہیں۔ عثمان تو اس بات کے منتظر تھے کہ کوئی وقت ہی جاتا ہے کہ فتح ہمارے ہاتھ ہے۔ یہ سُنتے ہی غضبناک ہو گئے اور نہایت غصہ میں آکر سخت لعنت ملامت کرنی شروع کی اور کہا کہ تم سے اگر نہیں معرکہ سنبھلتا تو میں خود چلتا ہوں۔ یہ کہکر اُٹھ کھڑے ہوئے۔ مگر اَوروں نے

اُن کو روک لیا اور یہ کمانیر معرکہ میں واپس چلے آئے اور ۲ دو بجے تک لڑتے رہے۔ اُن شکایت کرنے والوں میں سے کئی کام آئے۔ پھر دوبارہ عثمان کے پاس گئے اور کہا کہ حضور اب تو نہیں ہو سکتا ہے۔ اب صلح کر لی جائے۔ اب مقابلہ کی تاب نہیں۔ عثمان مارے غضب کے اپنے آپے سے باہر ہو گئے اور ارادہ کیا کہ جنوب کی طرف قصد کرو اور مارتے ہوئے ان مردودوں کو نکل چلو۔ ان مُسلمانوں سے یہ معرکہ اب نہیں تھمتا۔ چنانچہ اُٹھ کھڑے ہوئے اور دشمنوں کی طرف جو ہلّہ کیا ہے تو کوئی دائیں کوئی بائیں

سامنے کوئی بھی نہیں چیرتے پھاڑتے دو میل تک نکل

آئے۔ وہاں عثمان کی ٹانگ میں گولی لگی۔ اور

وہ گھوڑے سے

گر پڑے۔

# اباصوفیہ

رات کی تاریکی ساری دنیا پر چھا رہی ہے۔ دن بھر کے تھکے ماندے اپنے آرام کر رہے ہیں۔ سارا سنسار سوتا پڑا ہے۔ یاروں کی منڈلی ایک ھُو کا مقام ہے جہاں دن کو چہچہے اور قہقہے تھے۔ وہاں سناٹا ہے۔ در و دیوار پھول پات سب سو رہے ہیں مگر ایک غریب ایک گوشہ میں کبھی یار کا تصوّر باندھتی ہے کبھی اپنے معبود کو یاد کر کے اُس کے سپرد کرتی ہے اور کس شوق سے اور کس التجا سے۔ گویا خدا اُس کے دل کی ایک ایک حرکت کا خیال کرنے والا ہے گویا خدا اُس کے ہمقرین ہے اور وہ اُس سے بالمقابلہ منت کر رہی ہے۔ اُس کا دل بھر بھر آتا ہے۔ آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آتے ہیں اور وہ ان جذبات کی ظاہری صورتوں کو اُس کے روبرو پیش کرتی جاتی ہے۔ خط بھی اُس کے روبرو کھلا پڑا ہے لیکن اپنے خیالات میں اس قدر محو ہے کہ اُس کو کوئی خبر نہیں ہے۔ اسی بیہوشی کے عالم میں اُس کی نگاہ اُس خط پر جا پڑتی ہے اور اسی محویت کے عالم میں عارف کا خط سمجھکر جوش بھرے دل سے پڑھتی ہے۔

اے چارہ گر مریضِ بیتاب — اے نور فزائے چشم بیخواب
اے نبض شناس جانِ مضطر — ناسور زدائے دیدۂ تر
اے مایۂ لطفِ زندگانی — جاں بخش وفائے جاودانی

اے جانِ وفا شعار عارف
درمانِ دلِ فگار عارف

ہر چند کہ عارف کی جگہ صاف حرفوں میں مراٰبن لکھا تھا مگر وہ تو اپنے نشہ میں چور تھی۔ در و دیوار پر اُس کے عارف کا نام کندہ تھا۔ اُس کو بھی عارف ہی پڑھ گئی اور خیال تک نہ آیا کہ کیا پڑھ گئی ہوں۔ اور خیال آتا کہاں سے۔ ہمہ تن خیال تو وہ خود ہو رہی تھی۔ اور خیال کو گنجایش تھی ہی کہاں۔ عارف کے نام میں جو درد تھا درد کا ایک عجب مزا آیا اور اُسی شعر کو پھر دوبارہ پڑھا۔

اُسے جانِ وفا شعارِ عارف
درمانِ دلِ فگارِ عارف
دھیان آپ کا اِن دنوں کدھر ہے — کچھ حال کی میرے بھی خبر ہے
بیمار ہوں اور قریبِ مُردن — ہر دم ہے عذابِ جاں سپُردن
اِک آگ سی لگ رہی ہے تن میں — شعلے سے بھڑکتے ہیں بدن میں
گر یُوں ہی جلا کیا مَیں ناکام
تو فرشِ زمیں ہے اور آرام

اِس آخری شعر تک پُہنچتے پہنچتے ہجومِ شوق نے ایسا بیتاب کیا اور آنسوؤں کا ایسا تار بندھ گیا کہ صفحہ کاغذ کے نقوش اُس کی نظروں سے غایب ہو کر اندرونِ دل اور دماغ میں چکر کھانے لگے۔ اُس نے کہا۔ عارف اگر بیتابی کی یہ نوبت ہے تو اَور انتظار اور اُمید بے سود ہے۔ تم رُخصت ہو چلے۔ مَیں بھی تمہارے پیچھے پیچھے آتی ہوں کوئی لمحوں کا ہی وقفہ ہوگا۔ اور کیا خدا جس نے یہ محبت ہمکو عطا کی ہے۔ موت کے بعد تم سے ملنے نہیں دیگا۔ ہائے عارف کیا یہ محبت دنیا ہی تک محدود ہے۔ اُسکے چھوٹتے ہائے کیسی اُف کبھی نہیں ملینگے۔ ساری یہ دل کی دیوانگی۔ ساری یہ التجائیں۔ منتیں۔ آرزوئیں رائگاں جائیں گی۔ کبھی نہیں ملینگے۔ ہم تو تم سے جی بھر کے باتیں بھی کرنے نپائے۔ خواب میں بھی اگر آئے۔ بیتابی اور وفا شعاری ہی کی باتیں کرتے رہے۔ حجاب اور پاکدامنی نے ہمکو ہمسے اور ہمکو تم سے ہمقرین نہ ہونے دیا۔ کیا یہ ساری سچی محبت۔ یہ آگ جو دل ہی دل میں سلگ رہی ہے۔ یُوں ہی بُجھ جائیگی۔ ہائے عارف کبھی نہیں۔ وہ خدا جس نے یہ کُل کائنات موجود کی ہے۔ جس نے رنگ برنگ کے پھُول بنائے ہیں۔ جس نے ہر پھل میں طرح طرح کی چاشنی دی ہے۔ جس نے ہمیں آدمی بنایا ہے۔ جس نے ہمارے دل میں تمہاری محبت دی ہے۔ کیا وہ ایسا بے انصاف ہے کہ وہ اُس محبت کا کچھ بھی خیال نہیں کرے گا۔ ہاں ابھی اَور ہے۔ یہ کہکر پھر پڑھنے لگی۔ کیا حالت محبت کی بھی ہوتی ہے۔

سب جوشِ عرق سے گھل گیا جسم — ہر عضو میں کیا رہا بجز اسم
جوشِ خفقان سے دل کا یہ حال — ہر شعلۂ سینہ برق تمثال

ہرچند کہ غم انام ہووے  پر تجکو نہ غم سے کام ہووے
ہر شام طرب سعید تجکو  ہر صبح ہو صبح عید تجھ کو

ہرچند کہ میں تم سے جُدا ہوتا ہوں مگر دل نہیں چاہتا کہ یہاں سے جاؤں ۔
زینب اسکو پڑھکر متفکر ہوئی کہ یہ کیسا مضمون ہے۔ خیر آگے تو پڑھو۔
دنیا کے ناموس سے ڈرتا ہوں۔ ورنہ یہیں ایک جھونپڑی ڈال کر تیرے ہی نزدیک کہیں میں بھی یاد الٰہی کرتا۔

**زینب** "یہ تو عارف کا خط نہیں معلوم ہوتا ہے"
اگرچہ اس وقت تجھی میرا خیال نہ ہو لیکن تا کجے۔ تجھے نہیں معلوم ہے کہ اس دل میں تیری محبت کس درجہ بھری ہوئی۔ زینب جب ہوش میں آؤگی۔ افسوس کروگی۔

**زینب** "یہ تو عارف کا خط ہرگز نہیں۔ معلوم ہوتا ہے رابن جل دیگیا ہے"
بہت افسوس کروگی۔ ہمسا والا وشیدا تمہارا کبھی نہ ہوگا۔ تمہارا دلدادہ **رابن**"
زینب کو رابن کا نام پڑھکر بڑا طیش آیا۔ دیکھو مکار یہاں تو کیسی باتیں بنا گیا اور چلتے وقت میری میز پر خط چھوڑ گیا۔ اُسی مُنہ سے بہن بنانا اور اُسی موںھ سے معشوقہ قرار دینا۔ واہ رے دنیا۔ مجھے افسوس کس بات کا آتا ہے۔ اور تجھی کس بات کا خیال ہوتا ہے۔ یہ جوانی کے ولولے ہیں۔ ابھی کوئی دن ہی جاتا ہے کہ کسی سے تیری شادی ہو جائیگی۔ تو پھر زینب کو جھوٹوں بھی یاد نہیں کرنے کا۔ مگر مجکو تیری یاد کی کیا ضرورت ہے۔ میرا چاہنے والا عارف سلامت رہے۔ تمہارے جیسے ہزاروں اُس کے اوپر قربان۔ تم مجکو بے بس اور بے وسیلہ پاکر ستاتے ہو۔ تم میری ہنسی اُڑاتے ہو۔ یہ کہکر زینب پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ دستی رومال تمام آنسوؤں سے تر ہو گیا۔ آجکو اگر میرا عارف میرے پاس ہوتا تمکو اتنا کہنے کی جرأت ہوتی۔ او عارف۔ تمہاری غیبت میں لوگوں نے تنگ کرنا شروع کر دیا ہے۔ تمہاری مناسبت عارف سے کچھ۔ مجھ غریب کو کیوں ستاتے ہو۔ کیا عارف کی یاد میرے دل میں بھی بُری معلوم ہوتی ہے۔ تم لوگ مجھے اُس کی یاد کے ساتھ نہیں جینے دوگے تو مجھے اس بات کا بھی ڈر نہیں ہے۔ میرا عارف بھی سدھارنیوالا ہے اور میں بھی اُسی کے ہمراہ رخصت ہونیوالی ہوں کہاں تک ستاؤ گے۔ مرنے کے بعد عارف سے مجھے نہ ملنے دینا" یہ کہکر زینب بہت روئی

ڈیک مار مار کر روئی۔ صرف زبان سے یہ نکلتا تھا کہ ہائے بے بسی کا عالم۔ لیکن خداوندا تُو قادر مُطلق ہے۔ ہائے بے بسی کا عالم۔ لیکن خداوندا تُو قادر مُطلق ہے۔ اس کے بعد کچھ سکتہ کے سے عالم میں متحیّر خاموش رہی۔ معلوم نہیں اُس کے خیالات کس طرف خطور کرتے تھے۔ اتفاقیہ اُس کے مونھ سے یہ شعر نکل پڑا۔

سُبحانک یا الٰہ عالم
تو لائق بندگی خدایا

اور اِس مدہوشی کے عالم میں یہ شعر کس قدر اچھا معلوم ہوا۔ کئی مرتبہ اِس شعر کو دوہرایا

سُبحانک یا الٰہ عالم
تو لائق بندگی خدایا

اور پھر اپنے خیال میں غرق ہوگئی۔ کیوں عارف۔ اگر مَیں تمہارے ساتھ ہی جاتی۔ مردانہ لباس کر لیتی۔ تو کیا ممکن نہیں تھا۔ کچھ تو تمہارا ہاتھ بٹاتی۔ کچھ تو تمہاری مصیبت کے وقت کام آتی۔ مگر اُس وقت یہ کس کو خیال تھا کہ تم خواب و خیال ہو جاؤ گے۔ اگر تم جھوٹوں بھی کہتے۔ قسم ہے اُس پاک پروردگار کی کہ جس نے پیدا کیا ہے۔ تو مَیں سچوں چلتی۔ بھلا یہ ممکن کہ اگر میرا عارف کہتا اور مَیں نہ چلتی۔ لیکن اب کس طرح ممکن ہے۔ اب نہیں ہو سکتا۔ اب تو صرف یہ ہو سکتا ہے کہ جب تک جان تن سے نہ نکلے تمہارا جوگ سادھے رہوں۔ دنیا میں سب ہی قسم کی چیزیں ہیں اور سب ہی قسم کے آدمی اُن سے حظ اُٹھاتے ہیں۔ مجھے کیا ہوگیا ہے کہ تمہارے خیال کے سوا اَور کوئی خیال اور کوئی مذاق من بھاتا ہی نہیں۔ اور جو کوئی تمہاری یاد میں رخنہ انداز ہوتا ہی ہے تو وہ دشمن سے بھی کئی درجہ دشمن معلوم ہوتا ہے۔ کیوں عارف اپنے دیدار سے کب تک محروم رکھو گے۔ تمہاری یاد میں مَیں تو مر چلی۔ اور طرفہ یہ کہ لوگ مجھکو اِس سوگ میں دیکھکر ہنستے ہیں۔ بھلا کہو تو۔ اُن کو کیا پڑی کہ ناحق میرے معاملات میں دخل دیں۔ مَیں آپ مر رہی ہوں اور وہ اُوپر مارتے ہیں۔ اب تو تاب جُدائی کی نہیں رہی۔ عارف۔ او عارف۔ جلدی آؤ۔ اگر دیر کی تو اپنی پیاری زینب سوگوار زینب کو مُشتِ خاک پاؤ گے۔ کیا تمہیں اُس کے پامال ہونے کا صدمہ نہیں ہوگا؟

اِنہیں خیالات میں زینب سو گئی اور خواب میں دیکھتی ہے کہ خود مَیں پلوِنہ کے جنگل میں

شریک ہوں۔ میرا لباس مردانہ ہے۔ عارف کے پاس ہوں۔ میری نشانی اُس کے پاس ہے۔ ہاتھ میں ایک باریک سا چھلا پڑا ہے۔ اور داہنی طرف دل کے پاس میرا اپنا دیا ہوا رومال کہتا ہے۔ ایک کنارا اُس کا باہر ہے۔ رُوسی گولہ باری میں مشغول ہیں۔ ایک شور قیامت کا مچ رہا ہے۔ عارف بھی اپنے کام میں مصروف ہے۔ اور ہر سانس میں اُس کے اپنی پیاری زینب کا نام وردِ زبان ہے۔ بیٹھتے بھی زینب مونھ سے نکلتا ہے اور اُٹھتے بھی۔ اتنے میں دیکھا کہ رُوسی اِن غریبوں پر آن پڑے۔ ہاتھوں ہاتھ نوبت آگئی۔ عارف بھی جنگ کی صف میں مقابلہ کر رہا ہے۔ اور جدھر رُخ کرتا ہے فنا فی النار السقر کرتا چلا جاتا ہے۔ زینب بھی اُس کے پیچھے پیچھے ہے۔ کہتا ہے ابھی ذرہ سی دیر میں یہ ٹڈی دل بھاگتے نظر آنے لگے۔ اتنے میں دیکھا کہ ایک گولی اُس کے لگی اور سینہ کے پار ہوگئی۔ لہولہان ہوکر وہیں گر پڑا۔ زینب اُس کے سر کو اپنے زانو پر رکھکر وہیں بیٹھ گئی۔ زخم گہرا ہے اور مہلک ہے۔ زینب کی آنکھوں سے آنسوؤں کا دریا جاری ہے اور زبان سے یہی نکلتا ہے "ہائے عارف تم سدہار چلے تمہارا اللہ بیلی۔ عارف تم سدہار چلے تمہارا اللہ بیلی"۔ عارف کی آنکھوں میں بھی آنسو ڈبڈبا آئے ہیں۔ مگر تکلیف کی شدت سے کچھ زبان سے نہیں نکلتا ہے۔ کبھی آنکھیں کھولتا ہے۔ زینب کو ایک مرتبہ دیکھ لیتا ہے۔ اور آنسو دونوں طرف سے ڈھل ڈھل بہے چلے جاتے ہیں۔ اتنے میں دیکھا کہ لڑائی فرو ہوگئی۔ رُوسی بھاگ نکلے۔ عثمانی فوج کو فتح نصیب ہوئی۔ زخمی اُٹھائے جانے لگے۔ عارف کو بھی ڈولی میں ڈال کر لے چلے۔ زینب ڈولی کے ساتھ ساتھ۔ اسپتال میں آکر ڈولی والے نے ڈولی رکھدی۔ ڈاکٹر آیا۔ ملاحظہ کیا۔ زینب بار بار پوچھتی ہے کہ کوئی رمق جان باقی ہے۔ ڈاکٹر کہتا ہے ابھی تو زندہ ہے زینب دریافت کرتی ہے کوئی صورت بچنے کی ہے۔ ڈاکٹر بے اعتنائی سے اس کا کچھ جواب نہیں دیتا۔ زینب کوئی سونے کا جڑاؤ زیور ڈاکٹر کے ہاتھ میں دیکر پھر سوال کرتی ہے اور نہایت ہی لجاجت سے کہ کوئی صورت ہے کہ یہ غازی جانبر ہو۔ ڈاکٹر کہتا ہے کہ اگر خدمت اچھی ہو تو۔ پھر دیکھتی ہے کہ عارف ایک بستر پر پڑا ہے اور زینب سرہانے کھڑی تیمارداری کر رہی ہے۔ عارف کی آنکھ بند ہے لیکن آنسو جاری ہیں۔ اسی طرح سے دو شبانہ روز گذر گئے ہیں۔ گھنٹہ گھنٹہ بھر کے بعد عارف کے مونھ میں

زینب آتش جو ڈالتی ہے۔ صبح شام مرہم پٹی کرنیوالا آتا ہے۔ اُس سے ہاتھ جوڑ کر پیروں پر گر کر منتوں سے کہتی ہے کہ اس طرح سے پٹی باندھو کہ زخمی کو تکلیف نہو۔ وہ اپنے بھر سک زینب کی خاطر سے احتیاط کرتا ہے مگر ایک ذرا سی جنبش سے جو تکلیف کہ مریض کو ہوتی ہے اُس سے وہ کراہتا ہے اور اُس کے کراہنے سے زینب کی ایک جان سی نکلی جاتی ہے۔ دو شبانہ روز کے بعد وہ آنکھیں کھولتا ہے اور زینب کو پہچان کر کہتا ہی کہ بس اتنی ہی آرزو تھی اور کوئی ہوس نہیں ہے۔ اس آواز کے ساتھ زینب کو وہ صدمہ ہوتا ہے کہ وہ دل پر ہاتھ رکھکر بیٹھ جاتی ہے۔ اس کے بعد دیکھتی ہے کہ عارف اب اچھا ہو چلا ہے روز کچھ تھوڑی سی باتیں بھی کرتا ہے۔ پھر دیکھا کہ عارف کی حالت پھر ردی ہو چلی ہے۔ زندگی کی کوئی اُمید نہیں۔ زینب سرہانے کھڑی روتی ہے اتنے میں زینب کی آنکھ کھل گئی اور معلوم ہوا کہ سوتے میں اس قدر روئی ہے کہ تمام وہ جگہ اُس کے آنسوؤں سے تر ہے اور اب بھی آنکھوں سے آنسو جاری ہیں۔ پھر جو عارف کا خیال آیا تو دل اُمنڈ آیا۔ خوب روئی۔ خوب روئی۔ عارف تم بچھڑ چلے۔ اب کس کا مونھ تک کر جیونگی ہمارے تمہارے ملاپ کا نتیجہ یہ ہوا۔ تمہاری محبت ہمسے لیکن جدا نہیں ہوتی۔ عارف ہمیں بھی بلا لو اس ویرانے میں کس کی ہو کر جیئوں گی۔ عارف تمہارے بغیر ایک زندگی کے مقابلہ میں سَو مرتبہ مرنا قبول ہے۔ عارف مجھ سے اب تو رہا نہیں جاتا۔ روح جسم میں گھبراتی ہے۔ اِتنے دنوں سے لڑائی کی کوئی خبر نہیں ملی۔ معلوم نہیں تمہارا کیا حال ہوا ضرور لڑائی میں کام آئے۔ سارے اعضا سے یہی صدا نکلتی ہے کہ ضرور تم لڑائی میں کام آئے کاش تمہارے مرتے وقت میں بھی تمہارے شریک حال ہوتی۔ مگر اب کیا ہو سکتا ہے تم شہید ہوئے ہو۔ تمہارا رتبہ اللہ کے نزدیک زیادہ ہے۔ مجھے بھی اپنے پاس بلا لو رُوح جسم میں گھبراتی ہے لیکن جان نہیں نکلتی۔ عارف کیا کروں۔ تمہاری خاطر حرام موت نہیں مرتی۔ کیونکہ اگر خودکشی کی تو تمہاری ملاقات اور تمہارا دیدار نصیب نہو گا۔ جس خاطر مرنا قبول ہے جس کے لیئے یہ جان تصدق ہے جب وُہی نہیں ملنے کا تو کیونکر مروں ہائے عارف اس تمام عرصہ میں تمھی کو یاد کرتی رہی ہوں۔ کوئی وقت تمہاری یاد سے خالی نہیں گیا۔ سوتی ہوں یا جاگتی بیٹھی ہوں یا لیٹی تمہارا ہی نام ورد زبان رہا ہے۔ کیا تم اب میری خاطر سے اتنا نہیں کر سکتے کہ مجھکو یہاں سے بلا لو اور اپنا دیدار دکھا دو۔"

تمہارے بغیر روح اس قفس میں پھڑکتی ہے۔ ہائے عارف کہاں تک روؤں آنسو بھی خشک ہو چلے۔ دل کا بخار اس سے نکل جایا کرتا تھا اب تمام غبار دل پر چھایا ہوا ہے۔ عارف کیا صدمہ ہے تم اگر میرے پاس ہوتے اور مجھکو اس صدمہ میں دیکھتے تو ضرور تمہارا بھی دل بھر آتا۔ عارف تمہاری محبت تو ایسی نہیں کہ تم مجھ کو بھلا دو۔ ہائے عارف تمہیں کہاں دیکھوں۔ تمہاری صورت ایک مرتبہ دیکھنا چاہتی ہوں۔ اگر عارف تمہاری روح کو مجھ سے تعلق ہے تو کیا تمہاری روح میری اس فریاد و بکا کو نہ سنتی ہوگی۔ کچھ تو ترس کرو دیکھو کیا نوبت آگئی ہے۔

صبح کو جو اخبار سلطانی آیا اُس میں پلونا کی سرخی کے نیچے لکھا تھا کہ پلونا کے چوتھے معرکہ میں جب تمام افسروں نے اپنی ہمتیں ہار دیں اور جنگ سے دست بردار ہو گئے تو **عثمان پاشا نوری** نے عارف کو لیکر خود ہی حملہ کیا۔ لیکن وہ حملہ اس قدر سخت تھا کہ دو میل تک روس برابر پسپا ہوتے گئے۔ آخر غازی عثمان پاشا کی ٹانگ میں گولی لگی اور وہ گر پڑے۔ عارف اُن کو اُٹھا کر کیمپ میں لائے اور ایک مکان میں اُنکو رکھدیا اُدھر سفید جھنڈیاں صلح کی بلند کر دی گئیں۔ اس طرح پر روسی تسلط پلونا پر بھی ہو گیا۔ عارف ایک نوجوان مشیر کے خاص افسروں میں ہے اور اس نے اس معرکہ میں جو جو کار نمایاں کیئے وہ بھی یادگار ہیں۔ ہر چند کہ اس معرکہ میں شکست ہوئی مگر غازی عثمان کی بہادری اور استقلال قابل داد ہے۔ پلونا کے تمام ترک اب روسی قیدی ہیں۔ اور اُن کو حکم ہو چکا ہے کہ **سینٹ پیٹرزبرگ** نہایت آرام اور آسائش کے ساتھ بھیجدیئے جائیں۔ خود **زار** اُن کی ملاقات کے شائق ہیں۔

اس خبر کے پڑھنے سے زینب کے رہے سہے ہوش اور بھی غائب ہو گئے تمام سر چکر کھانے لگا۔ زمین پیروں تلے سے نکل گئی۔ بیٹھ گئی۔ اگر بیٹھتی نہ تو گر پڑتی اوروں کو خیال ہوا کہ یہ نزاکت کا اقتضا ہے۔

تھوڑی دیر کے بعد مسٹر یوسف ایک اور اخبار اپنے ہاتھ میں لیکر آئے۔

**مسٹر یوسف** "دول یورپ کے سفیر قسطنطنیہ میں جمع ہیں"

**زینب** "ایسٹرن کریچن (مشرقی سوال) کا فیصلہ ہوگا" (نہایت دبی زبان سے)

**مسٹر** "ہاں سوال یہ پیش ہے کہ روس دست درازی کا کہاں تک مجاز ہے"

**زینب** " تو ابھی مجلس تو منعقد نہیں ہوئی ہوگی" (اس خبر سے زینب کی کچھ آنکھیں سی کھل گئیں)۔

**مسٹر** " نہیں۔ لیکن آج ہی کل میں فیصلہ ہو جائے گا۔ رُوسی دست درازی سے تمام دوَلِ یورپ ناراض ہیں"

**زینب** " ہاں بیشک۔ اُن کی ناراضگی بیجا نہیں۔ آپ کو اس خبر سے کچھ خوشی ہے؟"

**مسٹر** " جن کے سایۂ عاطفت میں پرورش پائی۔ جن سے کبھی کوئی بدسلوکی ظاہر نہیں ہوئی۔ اُن کی بہتری میں ہمیں خوشی نہ ہوگی۔ ہمارے لیئے حکومت سلطانی ہی خدا کی حکومت ہے"

زینب اس کا کچھ جواب دیتی لیکن اپنے جذبات کے وفور کے باعث بہت کچھ تھک گئی تھی اس لیئے خاموش رہی اور مسٹر یوسف سیٹی بجاتے ہوئے دروازے سے نکل گئے۔ زینب اس ادھیڑ بن میں پڑی تھی کہ دیکھیئے اب کیا ہوتا ہے۔ اور سب کا ماحصل یہ تھا کہ اللہ **عارف** کو سلامت رکھے"

---

# سینٹ پیٹرز برگ

سینٹ پیٹرز برگ کا مشہور شہر یورپین رُوس کا پایۂ تخت ہے۔ ۱۷۰۳ء کلکتہ کی طرح سے محض ایک گانوں تھا۔ دو چار جھونپڑوں سے زیادہ اور کچھ نہیں تھا۔ پیٹر اعظم نے اس زمانہ میں تعمیر شروع کی اور ۱۸۲۵ء میں یہ تعمیر ختم ہوگئی۔ ملکہ کاتھرین ثانی نے اُس کی آرائش کی۔ اب ایسا خوش قطع ہے کہ رُوئے زمین پر کوئی دوسرا شہر اُسکے مقابلہ کا نہیں ہے۔ دریائے نیوا بیچ ہی سے گزرتا ہے اور چوک کا مقام جو پیٹرز برگ کے نام سے مشہور ہے۔ دو حصّوں میں تقسیم ہو جاتا ہے اور تھوڑے سے ہی فاصلہ پر جاکر خلیج فن لانڈ میں گر پڑتا ہے۔ چوک نہایت ہی پُر فضا مقام ہے اور بہت ہی گھنا آباد ہے۔ اسی مقام پر شاہی عمارات ہیں۔ زار کا موسم سرما کا محل۔ سنگ مرمر کا محل ٹارہیڈا۔ ایجکیناف۔ یہ سب بڑی بڑی پُرشان عمارتیں اسی جگہ واقع ہیں۔ ان سب عمارتوں میں محل ایجکیناف زیادہ پُر بہار ہے۔ لب دریا واقع ہے۔ متصل ایک باغ ہے۔ اور تمام شہر کو راستے یہیں سے پھٹتے ہیں۔ ساز و سامان اس کا اعلےٰ درجہ کا ہے۔ کشادہ اور فراخ ہونے میں اَور کسی محل سے کم نہیں۔ لیکن اِس کے بالاخانوں کی سیر کچھ اسی کے لیئے مخصوص ہے۔ یہاں سے شہر کا قلعہ صاف نظر آتا ہے اور اُس سے بھی زیادہ خوبی یہ ہے کہ پیٹر اعظم کے رہنے کا مکان اب اسی میں ملحق کرلیا گیا ہے اور تمام سیّاح اسی وجہ سے اس کی زیارت کو اولویت دیتے ہیں۔

پیچھے ناظرین کو معلوم ہو چکا ہے کہ آخر پلونا فتح ہوگیا۔ تین روز تک رُوسی شراب خواری میں مست رہے اور مسلمان قیدی بےبسی کے عالم میں گرفتار۔ جاڑوں کا موسم آگیا تھا۔ نہ اُن کے مکان کا انتظام نہ کھانے کی فکر۔ ہمتیں ہار کر مطیع تو ہوگئے۔ لیکن اب یہ مصیبت جو گلے پڑی اُس کی کس کو خبر تھی۔ کوئی بارہ سو میل کا سفر تھا اور اِس بے سر و سامانی کی حالت میں۔ ہزاروں تو اِس مصیبت سے جانبر نہیں ہوئے۔ راستہ ہی میں گر پڑے۔ کوئی تکان کے صدمہ سے۔ کوئی بھوک کی شدت سے اور

کوئی سردی کے مارے۔ اور جو گرے وہ گرے کے گرے ہی رہ گئے۔ کسی نے اُن کی خبر نہ لی۔ مگر موت نے آخر ہار تھک کر اُن کو اپنی سخت مصیبت سے رہا کیا۔ لاشوں کا پتہ نہیں۔ آیا وہیں سوکھا کیں۔ یا مُردہ خور درندوں نے اُن سے اپنا پیٹ بھرا کسی نے ترس کھا کر کسی گڑھے میں پھینک دیا۔ یہ حال تُرکی قیدیوں کا سویلا پڑ دشمنوں کے ہاتھوں ہوا۔ جو بیچارے بے حیا باقی بچ رہے اور دارالخلافہ پہنچے اُن سے قیدخانے کی ویران عمارت آباد کر دی گئی۔ لیکن جس خوبی سے ہمارے غازی عثمان پاشا نوری کو مع مصاحبین عارف خلیل اور ابراہیم لیگئے وہ قابل داد ہے۔ اُن کو کسی قسم کی تکلیف نہیں ہونے پائی۔ عثمان تو بیچارے زخمی تھے۔ ایک ڈاکٹر اُن کی نگہداشت کے لیئے ہر وقت موجود رہتا اور ان میں سے کسی کو بھی اگر کسی شئے کی ضرورت ہوتی یا نگران رُوسی افسر محسوس کرتا وہ فوراً ہی مہیا کر دی جاتی۔ کچھ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تمام تلطف اور جو اب منقطع ہو کر یہاں جمع ہو گیا تھا۔ سواری بھی ریل کی تھی۔ اور ہر ایک اسٹیشن پر کھانے پینے کا سامان مہیا رہتا تھا۔ جس طرح سے کہ زار روس کا حکم تھا اُسی طرح سے عمل کیا جا رہا تھا کسی افسر نے اپنی خدمت کا کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا تھا۔ جب سینٹ پیٹرزبرگ پہنچے تو زار عثمان کو خود لینے آئے اور ٹوپی اُتار کر اُن سے ملاقات کی۔ لیکن چونکہ زخم کی تکلیف بہت تھی اس لیئے اُنہوں نے اس وقت زیادہ گفتگو کرنی مناسب نہیں سمجھی۔ حکم ہوا کہ محل اینچ کوف میں اُتارے جائیں اور کسی قسم کے مدارات کی کمی نہ ہو۔ زار نے اپنے خاص ڈاکٹر کو عثمان کے پاس بھیجا اور کہا کہ یہ آپ کا علاج کرینگے۔ ڈاکٹر نے زخم دیکھکر کہا کہ مہلک تو ہرگز نہیں ہے۔ لیکن گولی معلوم ہوتا ہے اندر رہ گئی ہے۔ اُس کا نکالنا ضروری ہے۔ تکلیف بہت ہوگی۔ اگر آپ برداشت کر سکیں تو خیر ورنہ کلوروفارم سونگھا کر عمل کیا جائے۔ عثمان بولے کلوروفارم کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ آپ یونہی نکالیں اور کرسی پر بیٹھ گئے۔ ڈاکٹر کامل دو گھنٹہ تک عمل کرتا رہا لیکن اُس شیر مرد نے اُف تک نہیں کی۔ اُف کرنا تو امر دیگر ہے پیشانی پر ایک چین بھی نہیں آئی جس سے اتنا تو معلوم ہوتا کہ کچھ تو تکلیف ان کو محسوس ہو رہی ہے۔ ڈاکٹر نے بُرو ب دیگر گولی تلاش بھی کی۔ گوشت کو چیرا بھی کاٹا بھی سبھی کچھ کیا۔ دیکھنے والوں کے رونگٹے کھڑے ہوتے تھے۔ جسم میں کپکپی آجاتی تھی مگر اُن کو پرواہ تک نہ تھی کہ کیا ہو رہا ہے کیا نہیں۔ عارف ہمیشہ اُن کے پاس رہا کرتے

ستے تھے اور جب سے زخمی ہوئے ایک لمحہ کے لیئے جدا نہیں ہوتے ۔ سب خدمتیں اُنہیں
کے سپرد تھیں اور کوئی دوسرا اُن کے جسم پر ہاتھ تک نہیں لگا سکتا تھا ۔ اس وقت بھی
عارف ہی پاس بیٹھے تھے ۔ بے تکلف باتیں کر رہے تھے ۔ ڈاکٹر سے بھی کہتے تھے آپ
کسی بات کا خیال نہ کریں ۔ مجھ کو مطلق تکلیف نہیں ۔ آپ کو اپنا کام جیسا کرنا چاہیئے اُسی طرح
سے کیئے جائیں ۔ کسی کسی جگہ جو بے احتیاطی ہو جاتی اور انسان سے بے احتیاطی ہو ہی جاتی
ہے خصوصاً ایسے بڑے جرّیح کے سامنے ۔ یہاں تو حواس باختہ ہو جاتے ہیں تو عارف
کو بُرا معلوم ہوتا اور چیں بر جبیں ہوتے ۔ مگر عثمان اشارے سے منع کرتے کہ نہیں یہ زیبا نہیں
سچ ہے کام کرنا اور کام لینا دونوں مشکل ہیں ۔ کام لینے میں مانا کہ زبانی جمع خرچ ہے مگر اگر کام کرنے والے
کے ساتھ ہمدردی نہ ہو تو وہ ایک بیدرد وحشی بُت معلوم ہوتا ہے ۔ خشونت وحشیانہ تو ساری
موجود ہیں مگر وہ اس درجہ تجاوز کر گئی ہیں کہ نوع انسان سے اُن کا تعلق منقطع ہوتا ہے ۔ ہمیں اس جگہ پر
ایک نہیں سو مثالیں یاد آتی ہیں ۔ اور کیوں ۔ آجکل کی دنیا ہی ایسے بیدردوں سے بھری
پڑی ہے ۔ گویا وہ ایک عجیب الخلقت ہیں ۔ آسمان سے ٹوٹ پڑے ہیں ۔ ماؤں نے انہیں
جنا نہیں ہے ۔ اپنے بزرگوں کی گودوں میں کھیلے نہیں ہیں ۔ کبھی اپنے ماتحتوں کی جگہ پر
نہیں رہے ہیں ۔ ہمارے سارے دیسی کیا ہندو کیا مسلمان اس قسم کی رعونت سے بھرے
پڑے ہیں ۔ اگر دو ایک خدا ترس ہوئے اور زندگی مستعار کو مستعار سمجھا کیئے تو کیا ہوا ۔ یہ خرابی
سب سے زیادہ ہمارے مسلمانوں میں ہے ۔ ایک ذرا سا عہدہ ملا پایا ہے ۔ بس تو وہ وہ چیز
ہو جاتے ہیں جس کی وہ آپ ہی مثال ہیں ۔ آدمی کو آدمی سمجھنا تو درکنار ۔ اپنے کتنے کو بھی آدمی
سے زیادہ عزیز جانتے ہیں ۔ اور ہمدردی اُن کے لیئے کیا مال ہے ۔ اُن کی دنیا اُن کے
نفس تک محدود ہے ۔ خوشامد ہو گی تو رذالت کے ساتھ ۔ کیونکہ کچھ نفس کو فائدہ پہنچ جائے
اور نفس ایسا کافر ہے کہ اُس کی سیری تو ہوتی ہی نہیں ۔ ناظرین ضرور اس امر پر غور کریں گے کہ
خودغرضی ۔ خود بینی ۔ خودغرضی سے حاصل نہیں ہوتی ہے ۔ اگر میں ہمیشہ اپنی ہی تن آسانی کی
فکر کیا کروں ۔ تو لاکھوں اُس کے لیئے مخل پیدا ہو جائینگے ۔ تو کہاں ہی تن آسانی ۔ ہمدردی سے
ہمدردی حاصل ہوتی ہے ۔ اگر میں دوسرے کے آرام و آسائش کا خیال کروں گا تو دوسرا
بھی میری آسائش کی فکر میں ہوگا ۔ اسی طرح سے دو چار دس کی آسائش کی اگر مجھے فکر ہوگی
تو دسوں میری آسائش کا خیال کرینگے ۔ ایک حصہ کے عوض میں دس حصے ہمیں حاصل ہونگے

اور اگر ہمارا یہ بھلائی کا خیال عام ہوگا تو کُل ہماری بھلائی کی کوشش کرینگے۔ عجیب معاملہ ہے۔ جس چیز کی جستجو کیجاتی ہے۔ وہ میسر نہیں آتی ہے۔ اور جب میلان بدل جاتا ہے تو ہر طرف سے وُہی نعمت غیر مترقبہ کی صورت میں نازل ہوتی ہے۔ اس لیئے اگر خود غرضی ہی مقصود ہے پھر بھی ہمدردی کرنی چاہیئے کیونکہ یہی سیدھا راستہ ہے جس سے اپنی غرض ہمکو حاصل ہوتی ہے۔ باپ کو بیٹے کے ساتھ۔ اُستاد کو طالب علم کے ساتھ۔ بھائی کو بھائی کے ساتھ افسر کو ماتحت کے ساتھ۔ اور آدمی کو خلق اللہ کے ساتھ ہمدردی ضروری ہے۔ اگر ہمدردی نہیں ہوگی تو مطلب فوت ہوجائیگا۔ یہ سبق ہمارے لیئے ایک بہت بڑا سبق ہے اور اسکو بہت جلدی سیکھنا چاہیئے۔ اسی کا فرق ہم میں اور ہمارے کرسچن افسروں میں ہے۔ صرف یہی فرق ہے اور کوئی امر قابل محسوس نہیں نتیجہ اس کا یہ کہ وہ لائق ہوتے ہیں۔ اُن کا کام اچھا ہوتا ہے۔ ہر طرف سے اُن کی نیکنامی ہوتی ہے۔ اور اس کا عین عکس ہمکو میسر ہے۔ صرف اس لیئے کہ ہماری زندگی کا اصول معکوس ہے۔ جس روز ہم یہ چھوڑ دیں گے اُسی روز ہمارے دلدر دور ہوجائینگے اور ایسے جائینگے جیسے گدھے کے سر پر سے سینگ۔

تو ہر چند کہ عثمان کو تکلیف ہے لیکن نہیں ڈاکٹر کے ساتھ اُن کو ہمدردی ہے۔ خود جانتے ہیں کہ وہ اپنی دانست میں اذیت دینے کی کوشش نہیں کرے گا۔ جنگ کے موقعوں پر فوجی کیمپ میں۔ امور مملکت کے اہتمام میں۔ ہر جگہ ہر حال میں عثمان کو اپنے گردوپیش سے ہمدردی تھی اور غالباً اُسی کا نتیجہ ہے کہ اُن کو بارگاہ **سلطان** سے یہ عروج نصیب ہوا ہے۔ اور اُسکو اس خوبی کے ساتھ نبھایا ہے کہ دشمن بھی داد دیتے ہیں اور اس سے بڑھکر کیا ہوسکتا ہے۔ روسی قیدی ہیں اور زار خود اُن کی ملاقات کو آتے ہیں۔ اگر اپنی جان اُن کو اسقدر عزیز ہوتی کہ اور جانوں کی کوئی حقیقت اس کے مقابلہ میں نہ ہوتی۔ تو اوّل تو معرکہ میں شریک ہونا بعید تھا اور اگر جبراً و قہراً آتے بھی تو انہیں نمکحرام ارکان کی طرح سلوک کرنا پڑتا اور پھر وُہی ہوتا۔ کہ

ع

نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم نہ اِدھر کے ہوئے نہ اُدھر کے ہوئے

یہ ایک مسئلہ ہی نہیں ہے مسلّمہ ہے۔ اور چاروں طرف سے اس کے ثبوت مہیا ہوتے ہیں یہاں اس سے بڑھکر کیا ثبوت ہوسکتا ہے کہ زار خود عثمان کی ملاقات کو آتے ہیں اور کس تپاک سے گفتگو کرتے ہیں۔ حقیقت میں اللہ کرتا بھی اُسی کو بڑا ہے جو بڑائی کے قابل

ہوتا ہے۔

زار۔ ہمکو آپ کی ملاقات کا بڑا اشتیاق تھا۔ اور اگر آپ روسی خدمت قبول کریں۔ تو سلطنت کے سوا جو کچھ بھی کہ آپ چاہیں وہ آپ کو دیجا سکتی ہے۔

زار کا یہ کلام کوئی معمولی لہجہ میں نہیں تھا۔ اس مختصر جملہ کو اس انداز سے ادا کیا کہ ایک ایک لفظ سے اُس کے صداقت ٹپکتی تھی۔ قابل ہی قابلیت کی داد دیتے ہیں۔

عثمان۔ جناب کا شاہانہ الطاف ہے۔ اور تلطف غایت درجہ کی مجھ بدبخت کے حق میں یہ ہوگی کہ مجھ کو میری قسمت پر چھوڑ دیں۔ اور جس سلوک کا میں مستوجب ہوں وہی عطا ہو۔

زار۔ عثمان۔ آپ کے اس جواب سے آپ کی عزت ہمارے دل میں اور زیادہ ہوتی ہے۔ ہر چند کہ سلطان سے اُن کی جاہل رعایا کی وجہ سے ہمکو پرخاش ہے لیکن آپ ہمکو دوستی کی طرف آمادہ کرتے ہیں۔

عثمان۔ بے شک کمبخت مسلمانوں میں اچھی عادتیں نہیں رہیں اس لیئے تائید ربانی اُن کے حق میں نہیں رہی۔ مگر سلطان خود دام ملکہ و جلالہ ایسے ہرگز نہیں ہیں جن کی طرف جہلا کی بدخوئیاں منسوب کیجائیں۔ وہ نفس نفیس تمام مملکت میں ایک ہی مسلمان ہیں۔

زار۔ عثمان۔ تم سچ کہتے ہو۔ ہم اس بات کے قائل ہیں۔ کہ اُن کے ساتھ ہم نے مخاصمت پیدا کی۔ اب دول یوروپ کے رسائل ہمارے پاس اسی مضمون کے آتے ہیں کہ آپ اپنی فوج واپس لے لیں اور بلگیریا آزاد کر دیا جائے ضمناً ماتحت حکومت ٹرکی رہے۔

عثمان۔ اس میں جناب کا کیا ارادہ ہے۔

زار۔ ہمارا ارادہ پادشاہ کے ساتھ مخالفت کرنے کا تھا لیکن آپ نے ہمارا ارادہ بالکل بدل دیا۔

عثمان۔ ساری دنیا خدا کے بندے ہیں اور جناب کو اُس دنیا کے ایک حصہ کا نگران حال بنایا ہے۔

زار۔ ہمکو یقین ہے کہ سب اللہ کے بندے ہیں۔ کشت و خون خودغرضی کا نتیجہ ہے۔

عثمان "حضور سلطان المعظم نے میری رخصتی کے وقت یہ ناچیز تحفہ جناب کی خدمت میں بھیجا تھا"

اس وقت عثمان پاشا نے ایک انگوٹھی طلائی مرصع زار کی خدمت میں پیش کی۔ اور حقیقت یہ کہ سلطان المعظم نے اس قسم کی خدمت شیر کے سپرد چلتے وقت کی تھی۔

زار "عثمان۔ تم ہمکو شرمندہ کرتے ہو۔ ہمارا اب ہرگز ارادہ نہیں ہے کہ ان کے کسی صوبہ کے تعلقات میں ہم رخنہ انداز ہوں۔ مگر پادرز کے اصرار سے مجبور ہیں۔ آپ عنقریب اچھے ہو جائینگے۔ تو پھر جس وقت آپ واپس جائیں گے تو آپ ہی کے ذریعہ سے انکی خدمت میں ہم خریطہ روانہ کرینگے۔ آپ کو کوئی تکلیف تو نہیں ہوگی"

عثمان "اس امر میں تو جیسا میں حضور ممدوح حضرت سلطان کا نوکر ہوں ویسا ہی آپ کا خادم"

زار "آپ اگر روسی خدمت قبول کرتے تو اچھا ہوتا۔ آپ کے چھوڑنے کو طبیعت نہیں چاہتی"

عثمان ایسی کچی گولی کب کھیلا تھا کہ طمع نفسانی میں آن کر اپنی قوم کا تباہ کرنیوالا بنتا۔ انہوں نے تو مسلمانوں پر اپنے آپ کو قربان کر دیا تھا اور ان کا مقصد صرف اتنا رہ گیا تھا کہ اگر ہو سکے تو جو کچھ بھی زندگی کہ باقی ہے اپنی پست حالت قوم کے سدھارنے میں صرف ہو تو بہتر۔ وہ ان بھروں پر کب آنے والا تھا۔ سب کے لیئے یہ ایک جواب کافی تھا۔

عثمان "جناب کے الطاف شاہانہ ہیں"

زار "آپ کی ملاقات کا ہمکو بہت اشتیاق تھا۔ اور آپ سے ملکر ہم بہت خوش ہوئے آپ کو اس جگہ کوئی تکلیف تو نہیں؟"

عثمان "تکلیف۔ گھر سے زیادہ آسائش۔ جناب کے کریمانہ سلوک۔ ورنہ ہم تو سزا کے مستوجب ہیں"

زار "نہیں۔ آپ کی وقعت ہمارے دل میں بہت ہے۔ اور ہم بہت افسوس کرتے ہیں کہ ہمنے سلطان سے مخالفت کرکے ناحق اس قدر خلق اللہ کا نقصان کیا۔ ہمکو نہیں معلوم تھا کہ سلطان کی عملداری میں ایسے ذی وقعت لوگ بھی ہیں"

**عثمان** :- جو کچھ بھی کہ ہوا وہ ہو گیا۔ اللہ کو ایسا ہی منظور تھا۔ لیکن جناب کی نیک نیتی اور رعایا پروری میں کوئی شبہ نہیں۔ ایسے نیک شاہنشاہ قسمت سے ہوتے ہیں۔ اللہ جناب کو سلامت رکھے کہ روس کو جناب انتہا عروج کے درجہ تک پہنچا سکیں "

**زار** :- ہماری رات دن کی خواہش یہی ہے۔ آپ کا زخم کیسا ہے "

**عثمان** :- اچھا ہو چلا ہے۔ کوئی ایک ہفتہ تک اچھا ہو جائیگا۔ جب مجھے غسل صحت دیا جائیگا اور میں اپنے پیروں سے چلنے کے قابل ہو جاؤں گا۔ تو کیا جناب کی خدمت میں اگر حاضر ہونا چاہوں گا تو باریابی حاصل ہو جائیگی "؟

**زار** :- نہایت خوشی سے۔ ہم خود یہ دریافت کرنے والے تھے کہ جب آپ اچھے ہو جائیں تو ہمارے دربار میں تشریف لائیں "

**عثمان** :- جناب کی نہایت الطاف شاہانہ کا شکریہ ادا نہیں ہو سکتا کہ بیمار کی عیادت کے لئے بہ نفس نفیس خود تشریف فرما ہوئے۔ میری کوئی حقیقت ہے اور قید میں "

**زار** :- عثمان۔ آپ ہمارے دوست ہیں۔ ہم آپکی بہت عزت کرتے ہیں "

**عثمان** :- آپ کے احسان نہایت درجہ کو پہنچ گئے ہیں وہ کبھی نہیں بھولینگے "

**زار** :- اچھا۔ آپ اب آرام کریں "

یہ کہکر زار تشریف لے گئے اور اپنے ہمراہ عثمان کے وہ الفاظ بھی لیتے گئے جو کبھی نہیں بھولینگے +

# روانگی

دو ہفتہ کے عرصہ میں شمشیر اچھے ہوگئے۔ ترکی قیدیوں کو گھر واپس جانیکی اجازت مل گئی۔ روانہ ہوتے وقت سب شمشیر کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے سلطان کی طرف سے سب کو بشارت دی۔ سب سپاہیوں اور افسروں میں حسب مقدرت راہ خرچ تقسیم ہوا۔ الوداعی رخصت کہکر اپنے اپنے گھروں کو روانہ ہوگئے۔ شمشیر خود دو چار روز اور رہے۔ ہر روز زار کی خدمت میں جاتے اور وہ روز نئے تپاک سے پیش آتے۔ رخصت ہونے کے وقت زار نے بہت کچھ تحفہ تحایف دیکر رخصت کیا۔ حضور سلطان المعظم کے نام ایک دستی خط بھی دیا اور اُس میں صاف طور پر ظاہر کردیا کہ ہمکو آپ سے کسی قسم کی پرخاش نہیں ہے۔ اور دل سے چاہتے ہیں کہ رشتہ اتحاد کا مضبوط ہو۔ اور اپنی ہر قسم کی بہی خواہی جتلا کر اِس بات پر ختم کیا کہ عثمان آپ کے افسروں میں فرد ہے۔ جس قدر اُسکی قابلیت کی قدر کیجائے وہ کم ہے۔ میں نے ہر طرح سے اُن کو یہاں رہنے کے لیئے رغبت دلائی مگر اُنھوں نے کسی چیز کی طرف نگاہ نہیں کی۔ میں نہایت زور سے سفارش کرتا ہوں کہ آپ اِن کو اپنی سلطنت کا رکن اعلیٰ قرار دیں۔ یہ اسی قابل ہیں کہ ان کی اعلیٰ درجہ کی قدر کیجائے اور یہ نوجوان عارف نام اپنی وفاشعاری میں شمشیر سے ہرگز کم نہیں معلوم ہوتا ہے۔ ہم اُمید کرتے ہیں کہ یہ بھی دولت عثمانیہ کے ایک رُکن اعلےٰ بن کر سلطنت کے دشمنوں کی بیخ کنی کرینگے اور اپنے زمانہ میں عثمان ثانی بنیں گے۔

تحفہ تحایف بیش بہا اور بیش قیمت دیکر عثمان کو مع اپنے مصاحبین کے نہایت خوشی کے ساتھ رُخصت کیا اور چلتے وقت عثمان کو سمجھا دیا کہ سلطان المعظم کی خدمت میں عرض کردیں اور یقین دلادیں کہ ہم ہرگز اُن کے دشمن نہیں ہیں البتہ پہلے تھے۔

ارادہ ہُوا کہ ریل کا سفر اچھا ہوتا ہے۔ ابا صوفیہ۔ فیلی پولس ہوتے ہوئے قسطنطنیہ چلیئے اور سلطان کی زیارت سے جلد مشرف ہوجیئے۔ راستہ میں کہیں

نہ ٹھہریں۔ پھر یہ کہا کہ ذرہ سی تکلیف کی خاطر راستہ کو اِسقدر طول کیوں دیا جائے یا ناکر وارنا اور قرنیات کے درمیان ریل نہیں ہے تو کیا یہ سفر اور دوسری سواریوں کے اوپر طے نہیں ہوسکتا ہے۔ عارف کو تو یہ پڑی تھی کہ صُوفیہ چلینگے۔ زینب سے ملیں گے کہا حضور ایک ہی بات ہے۔ چاہے اِدھر سے چلئے چاہے اُدھر سے۔

**عثمان**:۔ ذرا سی آرام کی خاطر اتنی زمین کیوں طے کیجائے۔ ہماری رائے میں یہ آتا ہے کہ یہاں سے سیدھے **ماسکو** چلیئے۔ وہاں سے کیو۔ کیو سے **سستوا** سستوا سے براہ درۂ شبکہ سیدھی سڑک **فیلی پولیس** کو جاتی ہے۔ سواریاں بھی کثرت سے دستیاب ہوتی ہیں اور معمولی طور پر سواری ملی تو کیا مہیا کر لیجائیگی۔"

**عارف**:۔ اور فیلی پولس سے ریل سیدھی قسطنطنیہ جاتی ہے۔"

**مشیر**:۔ ہاں پھر ریل کی سواری ہے۔ عارف تمہاری کیا رائے ہے۔ اِس راستہ سے چلیں۔ یا کہو تو وارنا سے دخانی جہاز پر سوار ہولیں اور پھر قسطنطنیہ اُتریں۔"

**عارف**:۔ جو مرضی حضور کی مناسب تو خشکی ہی معلوم ہوتا ہے۔ مُلک کی کیفیت بھی معلوم ہوتی جائیگی۔ سستوا سے فیلی پولیس کوئی ایک سو پچاس میل ہوگا۔ اس سفر میں کیا کچھ نہ معلوم ہوجائیگا۔"

عارف کو اِس بات کا خیال تھا کہ کسی طرح سے سینٹ صوفیہ کے پاس سے ہوکر گزریں تاکہ زینب کی مُلاقات میسر آجائے۔ اور اِس امر کو اُس کی طبیعت اسقدر چاہتی تھی کہ ضبط واختیار سے باہر ہوا جاتا تھا۔

**مشیر**:۔ اچھا تو یہی راستہ ہمارے بھی پسند ہے۔ موسم اب چنداں سردیوں کا رہا نہیں کوئی تکلیف محسوس نہوگی۔ اچھا تو اسمٰعیل آفندی کو سستوا تار دیدو اور سواری کی مناسب تعداد لکھدو کہ ہمارے واسطے مہیا رہے۔ ہم آج سے تیسرے دن پہنچ جائینگے۔"

**عارف**:۔ جی جناب اور کیا۔"

چنانچہ عارف نے اسمٰعیل آفندی کو تار دیدیا اور لکھدیا کہ غازی عثمان پاشا بدھ کے دن چار بجے علی الصباح سستوا پہنچیں گے۔ آپکی مہربانی ہوگی اگر آپ چار شکرم اور چار گھوڑے سواری کے لیئے مہیا رکھینگے۔ اور دوسرے روز علی الصباح سینٹ پیٹرز برگ سے روانہ ہوگئے۔ خلیل اور ابراہیم بھی ساتھ تھے۔ دن بھر کے سفر کے بعد ماسکو پہنچے

مشیر نے دریافت فرمایا کہ ٹھہر کر سیر کرنے کا تو ارادہ نہیں - خلیل نے جواب دیا - حضور اسمٰعیل آفندی کو تار جو دے چکے ہیں - اُن کی بھی طبیعت چاہتی تھی کہ راستہ میں کہیں ٹھہرنا نہ پڑے - سب کو گھر کی پڑی تھی کہ کسی طرح سے گھر جلدی سے پہنچ جاویں - ایک ایک لمحہ سخت گزرتا تھا - اے وطن کی محبت بھی کیا چیز ہوتی ہے جس طرح سے مقناطیس کی سوئی ہمیشہ شمال کی طرف متوجہ ہوتی ہے - اُسی طرح سے ہمارے دل کی سوئی خواہ دنیا کے کسی حصہ میں کیوں نہوں - اور وطن میں چاہے کچھ بھی کیوں نہ رکھا ہو لیکن متوجہ ہوتی ہے اگر تو وطن کی طرف -

**مشیر**" اچھا تو دیکھکر کیا کرنا ہے - سیدھے چلے چلو "

غرض یہ کہ دو شبانہ روز کے اَور سفر کے بعد سسٹوا پہنچے -

**مشیر**" اب بھی کہو تو وارنا چلے چلیں اور وہاں سے جہاز پر سوار ہولیں "

**عارف**" حضور اسمٰعیل افندی کو تار دے چکے ہیں وہ باہر منتظر ہونگے "

اتنے میں دیکھا کہ ریلوے پلیٹ فارم پر اسمٰعیل افندی خود مع چار پانچ ملازمین کے دوڑے چلے آتے ہیں - آکر مشیر سے نہایت تپاک کے ساتھ ملے -

**اسمٰعیل**" ہم تو سمجھتے تھے کہ آپ سے اب ملاقات کیوں ہونے لگی "

اسمٰعیل صاحب سسٹوا کے ایک رئیس اعظم تھے - شروع ملازمت ان کی فوجی تھی اور اب تقاضائے سِن سے پنشن لیکر یہاں قیام اختیار کر لیا تھا - مشیر سے ان کی پہلی ملاقات چلی آتی ہے - اِنہوں نے اُن کے ماتحت اکثر معرکوں میں کام بھی کیا ہے -

**مشیر**" میں تو آپ کا ویسا ہی خادم ہوں - اپنا مکان سمجھکر تکلیف دی ہے "

**اسمٰعیل**" میرے سر آنکھوں پر - آپ کے دیکھنے سے میری آنکھیں روشن ہوگئیں "

**مشیر**" کیوں نہو آپکے الطاف بدلنے والے ہیں "

افندی صاحب مشیر کو اپنے مکاں پر لے آئے اور رات بھر وہیں مہمان رکھا اور صبح کو کہا کہ اب آپ کی مرضی ہے جب چاہیئے جائیے - یہاں سے فیلی پولس تک ٹرانک لگی ہوئی ہے - ایک شبانہ روز کا راستہ ہے شیخ احمد خلیل کو بھی پتہ لگ گیا ہے کہ آپ اس طرف سے آتے ہیں - کل اُن کے دو تار میرے پاس آئے اور مجھ سے کہا کہ

اُن کو سُنا دیویں کہ ہم اُن کے سخت منتظر ہوں گے۔ اور کچھ تعجب نہیں کہ آپ کے نام بھی تار آتا ہو۔ یہ یوں باتیں ہی کر رہے تھے اور ادھر گاڑی تیار ہو رہی تھی کہ ہرکارہ نے تار لا کر دیا۔ تو شیخ صاحب کا تھا۔ لکھتے ہیں کہ ہم آپ کے سخت منتظر ہیں اور اُمید کرتے ہیں کہ آپ ہم سے ضرور ملینگے۔

شیخ صاحب کے والد مشیر کے اُستاد تھے۔ اوائل تعلیم اُنہیں سے حاصل کی تھی اور بعد فراغت بھی فقہ اور حدیث اُنہیں سے تحصیل کرتے رہے۔ اس لئے اُن کے بیٹے کی خاطر اُن کو بہت منظور تھی۔

مشیر ”اُستاد بھائی کا تار آیا ہے۔ اُن کی خاطر بسر و چشم منظور ہے“

آفندی ”پرسوں علی الصباح آپ وہاں پہنچیں گے۔ دو ایک روز تو وہ شاید ہی رخصت ہونے دیں“

مشیر ”اُن کا اختیار ہے“

آفندی ”تو یہاں ایک روز کی بھی فرصت نہیں“

مشیر ”بارگاہ سلطانی میں حاضر ہوتا ہے“

جس وقت روانہ ہونے لگے اور افندی صاحب نے فی امان اللہ کہا اور مشیر نے بھی اُس کا جواب فی امان اللہ دیا۔ افندی صاحب کی زبان سے بے ساختہ یہ کلمہ نکل گیا کہ ”ہم آپ کے بڑے ممنون ہیں“

مشیر ”ممنون ۔ کیوں“؟

آفندی ”آپ کی جوانمردی کے“

مشیر ”اللہ کے کارخانہ ہیں۔ وُہی شکر کے قابل ہے“

یہاں سے صبح کے چلے ہوئے شام کو شبکا پاس پہنچے۔ کچھ تھوڑا سا وہاں آرام کر کے پھر چل دیئے۔ سبزہ اپنی بہار پر پھیران چلا ہے۔ دور تک کا شانی فرش بچھا معلوم ہوتا ہے اور اُسپر سورج کے غروب ہونے کا سماں کچھ عجیب ہی لطف دیتا ہے۔ دریا نیتوا یہیں سے نکلا ہے۔ باریک سوت جیسا چشمہ جوں جوں آگے بڑھتا ہی پھیلتا جاتا ہے۔ اور پھر دریائے ڈینیوب سے جا کر ملجاتا ہے۔ مگر جو زور و شور اسجگہ ہے وہ آگے نہیں۔ اور کوئی شکل سے قیاس کرسکتا ہے کہ یہ ننھا سا چشمہ

کیا حقیقت اسکی آگے جاکر اسقدر پھیل جاتا ہوگا۔ رات کو کوئی بارہ ۱۲ بجے کے قریب علی جا پہنچے۔ یہاں چاء اور قہوے کا انتظام کیا گیا اور علی الصباح فیلی پولیس پہنچے دیکھا کہ شیخ صاحب حقیقت میں سخت منتظر ہیں۔ رات بھر نہیں سوئے اسی انتظار ی ہیں کہ اب آتے ہونگے اب معلوم اگرچہ ہوگیا تھا کہ صبح آئینگے مگر اشتیاق عجیب چیز ہے اُس نے شیخ صاحب کو سونے نہیں دیا۔ دیکھکر شبیر کے چمٹ گئے۔ واہ عثمان تم ہمکو بھول گئے۔ جب سینٹ پیٹرزبرگ سے روانہ ہونے لگے تھے اُسیوقت تار دیا ہوتا۔"

مشیر۔ "یہاں تار دیکر تو یہ عذاب سر پر لیا کہ رات بھر نہیں سوئے۔"

شیخ (کھل کھلاکر ہنس پڑے) "عثمان تم سے ملنے کی سخت خوشی تھی۔"

مشیر۔ "اسی لیئے ہمنے تار نہیں دیا کہ کہیں آدھے راستہ میں آن پکڑو۔"

شیخ۔ "واہ عثمان ہم سے تمہاری خدمت کیا ہوسکتی ہے۔ اسی بچپن کی محبت سے بھرے جو کچھ کرتے ہیں کرتے ہیں۔"

مشیر۔ "نہیں۔ آپ تو آزردہ ہوگئے۔ مجھے آپ اُس سے ہرگز زیادہ نہ سمجھیں جب آپ کے والد مرحوم سے دونوں درس لیا کرتے تھے۔"

شیخ۔ "اچھا عثمان کل بھی ہم نہ جانے دیں گے۔"

مشیر۔ "کل بھی نہیں۔"

شیخ۔ "اگر اصرار کروگے تو مجبور ہیں۔ ورنہ دیکھو ہمارا بھی تو کوئی حق ہے۔"

مشیر۔ "آزردہ آپ نہوں۔ آپ کو میں ہرگز آزردہ خاطر نہیں کرنا چاہتا۔"

شیخ۔ "تو میری التجا قبول ہے۔"

مشیر۔ "قبول۔ بسر و چشم۔ لیکن اس بات کا بھی ذرا خیال فرمالیں کہ بارگاہ عالی میں جلدی حاضر ہونا ہے۔"

شیخ۔ "دو ایک روز کی دیر سے کیا ہوجائیگا۔"

مشیر۔ "تو کہتا تو ہوں جو آپ کی مرضی۔"

ابا صوفیہ یہاں سے براہ ریل دو سو میل ہے اور ڈھائی تین گھنٹہ کا راستہ ہے مشیر اور شیخ تو اپنی باتوں میں لگے تھے۔ عارف موقع ڈھونڈھ رہے تھے کہ موقع لگے تو اجازت لیکر ابا صوفیہ پہنچیں اور زینب سے ملیں۔ کچھ زینب سے ملنے کا اشتیاق ایسا تھا کہ

عارف کو بے چین کیئے دیتا تھا۔ ہر چند اس خیال کو اپنے دل سے ٹالتا تھا کہ اجازت مل لے تو پھر سہی ۔ مگر تصور تھا کہ بندھا جاتا تھا اور عارف کو بے حس کیئے دیتا تھا۔ عارف بہتیرا اپنے آپ کو سنبھالتا تھا مگر غافل ہوا جاتا تھا۔ اسی وجہ سے علیحدہ ہو کر ٹہلنے لگا۔ مگر پھر بھی وہی خیال۔ اُس نے کیا کیا کہ چھنگلیا میں خوب تاگہ لپیٹا۔ جب خون اُنگلی کے سرے پر جمع ہو گیا اُس کو چاقو سے شگاف دیدیا اور اُس میں نمک مرچ بھر دیا کہ اب تو مدہوشی سے باخبر رہوں گا۔ ہائے رے محبت تیرے لیئے کیا کیا جتن کرنے پڑتے ہیں +

# ایا صوفیہ

سورج غروب ہوگیا ہے - چراغوں میں بتیاں پڑ گئی ہیں - یاروں کو اپنے دن بھر کے کاروبار سے فرصت ہوگئی ہے - بازار تماشا، چراغان ہو رہا ہے - موقع موقع پر لوگوں کے جھرمٹ جمع ہیں - کہیں شبیر کے کارنمایوں کا ذکر ہے - کہیں نازنین پری تمثال الاپ رہی ہیں - تان سین مُردہ کو جلا رہی ہیں - کسی بالاخانہ سے قہقہ کی آواز آرہی ہے - اور بازاروں میں تو بھیڑ ہے مگر جو رونق مسٹر یوسف کے دوکان پر ہے وہ کہیں نہیں ہے - جتنے خوش قطع اور خوش وضع لوگ شہر کے ہیں اُن کا ہر شام یہاں جمع ہونا اُسی قدر فرض ہے جیسے عابد کے لیئے عبادت - یا مَیخوار کے لیئے احباب - کچہری کے لیئے کلرک - مدرسہ کے لیئے طلاب - اُن کے لیئے ایک کمرہ بھی علٰحدہ ہے - اور تمام زمانہ کی پالٹیکس یہیں ختم ہوتی ہے - اخبار یہاں پڑھے جاتے ہیں - نئے نئے رسالے یہاں موجود ہوتے ہیں - جس قدر یہاں رونق ہوتی ہے اُسی قدر دوسرے گوشہ میں جس طرف زینب کا کمرہ ہے بےلطفی ہوتی ہے - کوئی بھولے سے بھی اُدھر کو نہیں جاتا - دن گیا اور رات گیا - ایک سا سنسان پڑا رہتا ہے - کمرے کے لمپ کی روشنی سے باہر کا کچھ حصہ روشن ہو جاتا ہے - اگر یہ روشنی نہ نکلے تو اُسی طور پر تاریک پڑا رہے - مسٹر یوسف پہلے آیا کرتے تھے مگر جب سے لڑکی کا یہ حال دیکھا کہ کسی کے آنے جانے کو پسند ہی نہیں کرتی تو اُنہوں نے بھی آنا چھوڑ دیا - اگر ہفتہ دو ہفتہ میں کبھی ذری کی ذری آئے تو وہ کیا آنا کہلاتا ہے اور وہ بھی دن کو - رات کا آنا تو اُنہوں نے قطعاً موقوف کر دیا ہے؛

آج کے روز ایک اجنبی سفری لباس میں مسٹر یوسف کی دوکان کے پاس سے گزرا اور اُس موقع پر جہاں یاروں کا جلسہ ہوتا ہے کچھ ٹھہر گیا - شاید یہ سُننے کے لیئے کہ یہ کیا گفتگو کرتے ہیں - اِس جوان کا قد درمیانہ تھا - چہرہ سے متانت برستی تھی بال سر کے چھوٹے چھوٹے - آنکھیں بڑی بڑی نشیلی - دونوں ابرؤں کا میلان محراب بینی کے متصل تھا - دیکھنے میں جوان خوبرو تھا - اور چہرہ سے ایک وہ بات پیدا ہوتی تھی کہ

جس سے معلوم ہوتا تھا کہ ایا صوفیہ کا رہنے والا تو ہرگز نہیں ہے اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ کہیں دُور سے منزلوں کا مارا آیا ہے۔ اتنا بھی نہیں معلوم ہوتا کہ اس شہر کے گلی کوچوں سے اچھی طرح واقف ہو۔ مگر کچھ ہی کیوں نہ ہو اس وقت جس طرح سے کہ وہ دُور کھڑا ہوا دیکھ رہا ہے اُس سے پیدا ہوتا ہے کہ کسی چیز کی اُسے سخت تلاش ہے اور اتنی جرأت نہیں پڑتی کہ خود بھی جا کر یاروں کا شریک جلسہ ہو۔ جب اُس نے پایا کہ یہاں میرے مذاق کے موافق کوئی شئے نہیں ہے تو وہ آگے بڑھا لیکن اس طرح پر کہ قدم دھرتا تھا آگے اور پڑتے تھے پیچھے۔ اسی انداز سے وہ کچھ تھوڑی ہی دُور گیا ہوگا کہ اُس کے پیروں نے آگے بڑھنے سے جواب دیدیا۔ وجہ صرف یہ معلوم ہوتی ہے کہ بہت تھکا ہوگا۔ ورنہ یہاں نہ تو کوئی چیز ایسی ڈرانے والی تھی اور نہ کوئی خوش کرنیوالی۔ زینب کا کمرہ سامنے تھا وہ ایک کرسی پر بیٹھی اپنے خیالات میں غرق تھی۔ ایک دفعہ اُس نے نظر اُٹھا کر دیکھا بھی اور اجنبی کی آنکھ بھی اُس سے دوچار ہوئی لیکن پھر کچھ نہیں۔ وہ اپنے خیالات میں اسقدر غرق تھی۔ یہ تو وہیں ٹھٹک کر بیچارا رہ گیا۔ گویا بالکل بےحس ہے۔ جیسے لکڑی کی یا مٹی کی مورت ہوتی ہے اور معلوم نہیں اس طرح سے کتنی دیر تک کھڑا رہا۔ جلسہ بھی برخاست ہو گیا۔ چراغ بھی ٹمٹمانے لگے۔ مگر اس کی وُہی نوبت۔ بارے جب ذرا ہوش آیا تو کچھ اَور آگے بڑھا۔ پھر کچھ اَور۔ دروازے پر پہنچکر ایک دھیمی سی دستک دی۔ زینب چونک پڑی۔ مُنہ گھما کر جو دیکھا تو فرطِ اشتیاق سے زبان سے تو کچھ نہ نکلا جس طرح سے کہ مقناطیس لوہے کو کھینچتا ہے اُسی طرح سے اُس اجنبی کی طرف زینب کھنچتی چلی گئی۔ مگر پیروں میں جان نہیں تھی۔ اجنبی کے پیروں پر آ کر گر پڑی۔

**اجنبی** ”زینب اپنے آپ کو سمبھالو۔ یہ بیقراری یہ بدحواسی مناسب نہیں“

**زینب** ”عارف مَیں کیا کروں“

عارف نے زینب کو سمبھالا۔ ایک ہاتھ پر اُس کا جسم اُٹھا کر اپنے سینے سے لگا لیا۔

**عارف** ”گھبراؤ مت۔ اللہ بڑا کارساز ہے“

**زینب** ”ذرا ٹھہر جاؤ۔ کیا کروں۔ دل قابو میں نہیں ہے“

**عارف** ”گھبراؤ مت۔ قرار پکڑو۔ کیا خدا نے جنگ میں میری حفاظت نہیں کی“

زینب ؎ بیشک وہ بڑا کارساز ہے۔

عارف ؎ تو کیوں اس قدر گھبرائی ہو۔ اُس پر تکیہ نہیں۔ آؤ اندر چلو۔ بیٹھیں کچھ باتیں کریں گے۔ تمہاری ہی خاطر آیا ہوں۔ ایسا نہ ہو کہ وقت یونہی گزر جائے۔

زینب ؎ چلو۔ مگر مجھ کو چھوڑنا نہیں۔ نہیں تو میں گر پڑوں گی۔ اور مجھے معلوم ہوتا ہے۔ کہ تم غایب ہو جاؤ گے۔ پھر نہیں ملو گے۔ کیا سچ مچ تم میری خاطر آئے ہو عارف ؟"

عارف ؎ لو۔ تمہاری خاطر نہیں تو میرا اور کون یہاں بیٹھا ہے۔

زینب ؎ تمہیں میری جان کی قسم بُرا نہ مانو۔ میرا دل قابو میں نہیں ہے۔ معلوم نہیں زبان سے کیا نکل گیا۔ کیا میں نے کچھ سخت کہا ہے۔ اگر بُرا معلوم ہوا ہو۔ تو للہ معاف کرنا۔

دونوں اندر چلے گئے اور مقابلہ کی کرسی پر بیٹھ گئے۔ زینب کا چہرہ اسقدر سُت گیا تھا کہ مُنہ پر گویا خون نہیں ہے۔ اور عارف کا بھی ایسا ہی بُرا حال تھا۔ لیکن اب اچھے ہو چلے ہیں۔ خون کی گردش پھر جاری ہو گئی ہے۔

زینب ؎ عارف۔ تم کو کتنا یاد کیا۔

عارف ؎ تمہاری یاد نے دل میں گھر کر لیا ہے۔

زینب ؎ اخبار میں سینٹ پیٹرزبرگ سے تمہاری روانگی تو دیکھ چکی ہوں۔ تم سے ملنے کا انتظار نہایت اشتیاق سے کر رہی تھی۔ مگر تم کیونکر آ گئے۔

عارف ؎ تمہاری خاطر چلا آیا۔ اپنے مزاج کا حال بیان کرو۔

زینب ؎ شکر ہے۔ لیکن سچ بتلاؤ۔ کیونکر آنا ہوا ؟

عارف ؎ کہتا تو ہوں۔ تمہاری خاطر آیا ہوں۔

اس کو عارف نے اس لہجہ میں ادا کیا۔ کہ یہ جملہ زینب کے دل کے پار ہو گیا۔ مگر تسلی نہ ہوئی +

زینب ؎ جناب۔ یہ تو جانتی ہوں۔ میری خاطر۔ مگر آخر کہاں سے ؟"

عارف ؎ رُوسی دارالخلافہ سے سیدھے مشیر کے ہمراہ چلے آتے ہیں۔" (اور بھی کہنا چاہتا تھا کہ)

**زینب**" ہاں تو مشیر بھی آ گئے؟ اچھا کہو"۔

**عارف**" آج فیلی پولیس میں مقام ہے۔ اپنے اُستادزادے شیخ احمد خلیل کے ہاں مہمان ہیں۔ ارادہ تو اُن کا سید سے قسطنطنیہ جانے کا تھا مگر انھوں نے اصرار کیا اور روک لیا"۔

**زینب**" کیوں عارف اگر وہ سید سے چلے جاتے تم یہاں بھلا کیوں آتے"؟

"کیوں عارف" کی آواز زینب کی زبان سے کوئی ایسا معمولی فقرہ نہیں تھا۔ اس میں محرومی اور یاس کا ڈر۔ عارف کا دل بھر آیا۔ اور ایسا معلوم ہوا جیسے گلے میں کسی نے پھانسی لگا دی ہو اور سچ تھا اگر سید سے جاتے تو عارف کو یہاں آنا کیونکر میسر آتا۔

**عارف**" کہتی تو سچ ہو مگر دیر آید درست آید پر قناعت کرنا پڑا"۔

**زینب**" یہ نہیں ہو سکتا تھا کہ تم مشیر سے ذری کی ذری رخصت لے لیتے"؟

**عارف**" درست کہتی ہو۔ لیکن ایسی ملاقاتوں کا کوئی نتیجہ؟"

عارف نے یہ جملہ کہنے کو کہہ تو دیا۔ مگر اس سے زینب کا رنگ بدل گیا اور فوراً یہ خیال پیدا ہوا کہ بلا سمجھے جو یہ میں کہہ گیا اس سے مجھے کیا مل گیا۔ اُس دُکھیا کے دل پر کیسی چوٹ لگی ہوگی"۔

**عارف**" میری اور کوئی منشا نہیں ہے۔ آپ خدا کیواسطے رنجیدہ نہ ہوں"۔

عارف کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور زینب نے ہنسکر کہا۔

**زینب**" نہیں عارف کہو۔ بھلا ممکن ہے تمکو میرے ملنے کی آرزو نہیں ہوگی"۔

**عارف**" کچھ نہ پوچھو۔ میری منشا صرف اسقدر ہے اور اسی وجہ سے میں نے اپنے آپکو معرض خطر میں بھی ڈالا ہے کہ تم سے صلاح کروں کہ کوئی تدبیر ایسی نکالو کہ آئے دن کی جدائی کا داغ تو نہ سہنا پڑے۔ بڑی مشکل سے آیا ہوں۔ تم سُنو گی تو کہو گی کہ مایوسی نے ملنے کی صورت پیدا کی"۔

**زینب**" کیا صورت نکالوں۔ میں تو اپنے ہوش میں نہیں۔ تمہارا اچانک مل جانا خواب و خیال نظر آتا ہے اور ہر وقت اسی کا دغدغہ ہے کہ جہاں آنکھ بند ہوئی اور تم غایب ہو گئے"۔

**عارف**" اور وقت بہت کم ہے۔ ابھی تم سے جُدا ہونا ہے"۔

**زینب** "ہائے عارف یہ نہ کہو۔ خدا نہ کرے میں نہیں جیونگی"

زینب یہ کہکر ایکطرف کو گرنے لگی۔ گویا کہ اُس کے ہوش خطا ہوئے جاتے ہیں اور وہ بیہوش ہو چلی ہے۔ عارف نے بڑھکر اُسے سمبھالا اور اپنے سینہ پر اُس کا سر رکھ لیا۔ وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ عارف کی طرف دیکھتی تھی اور بلائم آواز سے کہتی تھی "عارف چلے جاؤ گے" عارف نے اپنے رُخسار اُس کے رُخساروں کے اوپر رکھے اور لجاجت سے کہا "زینب ہوش میں آؤ۔ یہ کیا غضب کرتی ہو" اور اِس عالم اشتیاق میں اُس نے کئی بوسے پے در پے لیئے اور آہستہ سے کہا "زینب یہ کیا غضب کرتی ہو۔ خدا کیواسطے ہوش میں آؤ" کچھ عارف کی خوشبو اِس قدر طرب خیز تھی اور کچھ اُس کی آواز اِسقدر مؤثر تھی کہ زینب نے آنکھیں کھولدیں اور حجاب سے دونوں ہاتھوں سے اپنا مُنہ ڈھانپ لیا۔ عارف نے اُس کو کرسی پر سیدھا کر کے بٹھا دیا اور کہا "اتنا بھی دل پر قابو نہیں"

زینب نے شرمندگی سے آنکھیں نیچی کرلیں۔

**عارف** "میرا یہاں زیادہ ٹھہرنا مناسب نہیں"

**زینب** "(نیچی نظروں سے) کوئی دم تو ٹھہرو"

**عارف** "اگر میری موجودگی مسٹر نیوسعت کو معلوم ہو گئی"

**زینب** "نہیں ہوگی۔ ابھی رات ہے"

**عارف** "تمکو خبر نہیں صبح ہوا چاہتی ہے۔ اگر معلوم ہو گیا تو تمہاری رسوائی ہوگی میری خیر صلاح"

**زینب** "نہیں ہوگی۔ کیونکر جانے دوں۔ اور بلا سے ہو"

**عارف** "زینب ہوش کرو۔ تم سے تدبیر پوچھنی تھی۔ اور تم اپنے ہوش میں نہیں۔ ذرا سمبھالو۔ ایسا نہو کہ قطعی مفارقت ہو"

زینب مفارقت کے نام پر چونک پڑی کسی نے جیسے برچھی سے گود دیا۔

**زینب** "عارف تم چلے جاؤ گے تو پھر نہیں ملو گے"

**عارف** "زینب سمبھالو۔ ہوش کی باتیں کرو۔ صبح ہوتی ہے"

زینب نے بڑی لجاجت سے عارف کی طرف دیکھا اور دونوں ہاتھ پھیلا دیئے۔ عارف نے بے اختیار اُس کو اپنے سینے سے لگا لیا۔

**زینب** "ہاں عارف دل سے لگالو۔ پھر جُدا ہونا"

عارف بھی اس وقت اپنے حواس خمسہ سے باہر تھا۔ آسمان زمین ایک تھی۔ نہ یہ معلوم ہوتا تھا کہ مَیں کون ہوں۔ نہ یہ کہ کہاں ہوں۔ یہ وہ حالت تھی جس کی کوئی مثال اس دنیا میں اَور نہیں۔ ہاں جو عابد اور خدا دوست ہوں گے اُن کو مراقبہ میں۔ یا الہامی حالت میں اسی قسم کی ازخود رفتگی فنا فی اللہ کی حالت طاری ہوتی ہوگی۔ تو اس سے وُہی باخبر ہیں جو اس رمز سے آگاہ ہیں۔ عوام کو تو وہ بھی نہیں سمجھا سکتے۔ کوئی آدھ گھنٹہ تک اسی بے حسی کی حالت میں۔ روحی تعلقات میں ایک دوسرے سے پیوستہ پڑے رہے۔ مگر اس اشتیاق کو بھی آخر کچھ تو سیری ہوتی تھی۔ بارے اس بیہوشی سے یا غشی سے (یا ناظرین جو نام اُس کو دینا چاہیں) جاگے اور پہلا کام اُن دونوں کا ہوش میں آنے کے بعد یہ تھا کہ دونوں فوراً علیحدہ ہو گئے اور زینب نے حجاب سے گردن جُھکا لی۔ مگر بہت کچھ سیری ہو چکی تھی۔ اب وہ غشی کا عالم نہیں تھا۔ نہ اب وہ بیتابی تھی۔ زینب معلوم کرتی تھی کہ مجھ کو اپنی طبیعت پر قدرت ہے۔ عارف سمجھتا تھا کہ میری بے بسی کی حالت گزر چکی ہے۔ مگر دونوں نادم ہیں اور دونوں سمجھتے ہیں کہ یہ حرکت جو صادر ہوئی وہ زیبا نہیں تھی۔ لیکن یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر علیحدہ رہتے تو چین کیونکر آتی۔

**عارف** "کوئی تدبیر نہیں نکالو"

**زینب** "خدا نکالیگا" (اور رونے لگی)

**عارف** "روتی کیوں ہو۔ اللہ سے دعا مانگو اور تدبیر سے کام لو"

**زینب** "تم اب چلے جاؤ گے۔ جانی پھر کب ملو گے"

**عارف** "گھبراؤ مت۔ یہ لو میری تصویر"

عارف نے سینٹ پیٹرزبرگ میں اپنے احباب کیواسطے خصوصاً زینب کی خاطر چند فوٹو کھچوا لیئے تھے اور اس وقت اُسی کو وہ پیش کرتا ہے۔ زینب نے بڑی ہی نزاکت سے ہاتھ بڑھا کر تصویر عارف کے ہاتھ سے لیلی۔

**زینب** "تو کیا اب رخصت۔ تدبیر تو سوچی ہی نہیں"

زینب نے یہ کچھ ایسے مسکراتے ہوئے چہرہ سے کہا کہ عارف کو تو معلوم ہوا کہ آسمان پر بجلی کوند گئی۔

**عارف** " تدبیر کوئی نکل آئیگی

کار سازِ ما بفکرِ کارِ ما
فکرِ ما در کارِ ما آزارِ ما "

**زینب** " خوب۔ تو آپ کیا رخصت "

عارف اُٹھ کھڑا ہوا۔ اور کہا " اب رخصت دو۔ ورنہ بدنامی ہے "

**زینب** " کیونکر رخصت دوں۔ زبردستی چلے جاؤ۔ لیکن یاد رکھنا۔ بھول نہ جانا "

عارف نے ایک قدم آگے بڑھایا تھا کہ زینب نے اُس کا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں سے پکڑ لیا۔

**زینب** " ایسی جلدی۔ نہ سلام۔ نہ الوداع۔ نہ فی امان اللہ "

عارف زینب کی طرف دیکھتا تھا اور ڈرتا تھا کہیں راز فاش نہ ہو جائے۔

**عارف** " اب رخصت کرو۔ ورنہ ننگِ خاندان بن جاؤ گی "

**زینب** " تو قسطنطنیہ جاتے ہو۔ میں بھی آتی ہوں۔ لیکن دو ایک روز کے بعد ضرور ملنا "

عارف کی نگاہ بخاری پر جا پڑی وہ چوکھٹے میں زینب کی تصویر دھری تھی۔

**عارف** " یہ کس کی تصویر ہے "؟

**زینب** " لو میں بھول گئی۔ تمہارے لیئے رکھی تھی "

زینب نے وہ تصویر عارف کے حوالہ کی اور عارف کی تصویر اُسکی جگہ لگا دی اور بمشکل تمام دونوں رخصت ہوئے۔

اِدھر تو عارف رخصت ہوئے اُدھر زینب پر پھر غشی کا عالم طاری ہو گیا اور معلوم نہیں اس حالت میں وہ کب تک پڑی رہی۔ صبح کو مسز یوسف جو کمرہ میں داخل ہوئیں تو کہا کہ لڑکی ابھی تک سو رہی ہے۔ کہاں روز علی الصباح اُٹھ بیٹھا کرتی تھی۔ مرغ صبح پر بھی سبقت تھی۔ آج اتنا دن چڑھ گیا ہے اور سو رہی ہے۔ اُم کلثوم کو بلایا اور کہا۔ کہ ذرا جگانا تو۔

**کلثوم** " رات بھر اپنے اللہ کو یاد کرتی رہی ہو گی صبح نیند آگئی "

**مسز** " تجھے ان باتوں سے کیا مطلب۔ ذرا جا کر جگا تو سہی۔ یہاں میز پر کھانا آ گیا ہے "

**کلثوم** زینب کو جگانے گئی اور وہاں پہنچکر کچھ بے ادبی اور کچھ شوخی سے زور سے جھنجوڑا۔ وہ جاگ تو پڑی۔ لیکن اُس کی زبان سے فوراً صاف نکل پڑا "ہاں عارف"۔ مگر وہ بھی بھونڈی عقل کی کچھ نہ سمجھی۔

**کلثوم** "میز پر کھانا آگیا ہے تمہاری اماں جان بُلاتی ہیں"

**زینب** "اُفوہ۔ اتنا دن چڑھ گیا ہے اور میں ابتک سوتی ہوں"

یہ کہکر جھٹ پٹ اُٹھی اور مُنہ ہاتھ دھوکر سیدھی کھانے کے کمرے کو چلی گئی۔ وہاں مسٹر اور مسز یوسف دونوں منتظر تھے۔

**مسٹر** "آج تو تم نے بڑی دیر لگادی (والدین کی بھی عجب محبت ہوتی ہے) میں نے تمہاری والدہ کو دیکھنے کے لیے بھیجا تھا"

**زینب** "جی ہاں۔ ذرا غیر معمولی طور پر رات کو نیند نہیں آئی۔ معلوم نہیں مسہری میں کیا جانور پیدا ہو گئے ہیں اور ذرا کچھ سر میں بھی درد تھا"

**مسٹر** "تو پلنگ آج دھوپ میں ڈلوا دو۔ معلوم ہوتا ہے تمہارے کمرے کو کوئی صاف نہیں کرتا ہے"

**زینب** "آتی تو ہے۔ کل مہتر نہیں آئی"

**مسٹر** (اپنی بی بی کی طرف مخاطب ہوکر) زینب کی آنکھیں بھی سوجی ہیں"

**مسز** "اور چہرہ بھی اُترا ہوا ہے"

**مسٹر** (زینب سے مخاطب ہوکر) "طبیعت تو اچھی ہے"

**زینب** "جی ہاں۔ یوں تو اچھی ہوں۔ رات کو ذرا سر میں درد تھا"

**مسٹر** "مُجھے ہمیں خبر نہ کی"

**زینب** "کیا خبر کرتی۔ یہ کیونکر کہتی کہ رات کیونکر گزری"

مگر والدین کی محبت بھی عجیب چیز ہے۔ ہر چند قرابت کی وجہ سے دونوں زینب سے بظاہر ناراض تھے مگر ذرا ہی چہرہ کے تغیر سے اُن کے دلوں کو کیسی تشویش پڑ گئی اگرچہ اس محبت کے جذبات اُس قدر محرک نہیں مگر جسم کے کسی پہلو میں اسکی نشست ایسی آکر واقع ہوئی ہے کہ کبھی کم نہیں ہوتی اور اُس وقت بھڑک اُٹھتی ہے جس وقت بچے کو درد رسیدہ دیکھتی ہے۔ کیا خدا کی قدرت ہے۔ اس طرح سے دو روز کا

عرصہ گزر گیا مسٹر یوسف کی تشویش بھی رفع ہو گئی - زینب پھر معمول کے موافق سونے اور جاگنے لگی - ایک روز اسی طرح سے کھانے پر بیٹھے تھے کہ ہرکارے نے تار دیا تار پر سرکاری مُہر تھی - کھول کر پڑھا - دفعتاً ایک خوشی سی تمام چہرہ پر چھاگئی - اور پڑھکر زینب کے سامنے رکھدیا - زینب کی والدہ پڑھی نہیں تھی - زینب نے اپنی والدہ کو سُنانے کی غرض سے زور سے پڑھا :-

| | |
|---|---|
| از جانب سلطان المعظم<br>سلطان عبد الحمید خان ثانی دام ملکہ وسلطنتہٗ<br>قسطنطنیہ | بجانب مسٹر یوسف<br>سوداگر - ایا صوفیہ |

" بڑے جلسوں کا اہتمام آپ کے سپرد رہا ہے - غازی عثمان پاشا نوری کے بسلامت آنے کی خوشی میں ایک عام جلسہ دینا چاہتا ہوں - تم فوراً یہاں آجاؤ اور اسکا اہتمام اپنے ذمہ لیلو "

مسنز " قسطنطنیہ جاؤ گے "

مسٹر " ہاں ضرور جانا چاہیئے "

زینب " ہم بھی چلینگے "

مسٹر ( زینب کی والدہ کی طرف مخاطب ہو کر ) " اور تمہارے کیا ارادے ہیں "

مسنز " طبیعت تو جانے کو میری بھی چاہتی ہے - لیکن اگر مناسب ہو تو چلوں "

زینب " ہم ضرور تم کو لیچلینگے "

مسنز " زینب سیر و تماشہ سے تو تمہیں رغبت تھی نہیں "

زینب " نہیں یہ سلطانی جلسہ ہے - اس کی خوشی ضرور ہونی چاہیئے - مَیں تو ضرور جاؤں گی "

مسٹر " ( زینب کی ماں کی طرف ) تو تم بھی چلو "

مسنز " مَیں بھی چلوں "

مسٹر " ہاں اَور کیا - ابھی تو کہہ چکی ہو کہ دل چاہتا ہے "

مسنر:۔ ہاں دل تو چاہتا ہے مگر مناسب کیا ہے؟
مسٹر:۔ اس میں مناسب کیا دیکھنا۔ نقصان ہی کیا ہے۔ کام اس قدر ہوگا۔ کچھ تو مدد دوگی؟
زینب نے اپنی ماں کے گلے میں ہاتھ ڈالدیئے اور بلائیں لیکر کہا۔
زینب:۔ امامی جان ضرور چلو۔ ایسا جلسہ پھر کاہیکو نصیب ہوگا؟
اور یہ سب باتیں اس غرض سے تھیں کہ یہ جائیں گی تو پھر میرا جانا بھی ضروری ہو جائے گا۔
زینب:۔ اچھی امامی تو مجھ سے کہدو کہ چلو گی یا نہیں؟
مسنر:۔ اچھا لڑکی تجھے کیا ایسی جلدی پڑ گئی؟
زینب کی ماں کا مزاج ذرا اور قسم کا تھا۔ اپنی رائے کو مافوق سمجھتی تھی اور کسی کام کے لیئے اگر خود کہا جائے تو اس پر تو وہ کبھی راضی نہ ہوتی لیکن اپنے دل میں جو آتا اس کے کرنے کے لیئے تیار تھی۔ زینب کو اس طرح سے لڑکپن سے جھڑکتی آئی تھی۔ ان باتوں کے سننے کی اس کی عادت پڑ گئی تھی وہ ان کا برا ہی نہیں مانتی تھی۔
زینب:۔ نہیں اچھی اماں۔ مجھ سے تو تم ضرور یا ضرور کہدو۔ چلو گی نا (اپنے والد سے مخاطب ہوکر) امامی جان چلیں گی۔
مسٹر:۔ ہاں وہ بھی چلیں گی۔ تو تیاریاں کردو۔ شام کو چار بجے ریل جاتی ہے۔ تو چار بجے صبح تک وہاں پہنچ جائینگے۔
مسنر:۔ اسقدر جلدی؟
مسٹر:۔ جلدی نہ کیجائے گی۔ تار تو حضرت نے اسی غرض سے دیا ہے اور تاکید بھی کردی ہے۔
مسنر:۔ تو میرا چھپے کا صندوق تو بے مرمت پڑا ہے۔
مسٹر:۔ یہ کونسی بڑی بات ہے۔ اور جو صندوق موجود ہیں۔ زینب تم تو تیار ہونا؟
زینب:۔ جی ہاں۔ صرف سفری بکس میں کپڑے رکھنے ہیں۔
مسٹر:۔ اور کوئی چیز درکار تو نہیں۔ (اور مسنر یوسف کی طرف بھی اشارہ کیا کہ) تم بھی تیار ہو جاؤ۔

**زینب** نے "کچھ نہیں"

ادھر تیاریاں ہو رہی تھیں۔ اُدھر ڈاکیا اخبار لایا۔ سب سے پہلے اخبار سلطانی کھولا گیا۔ اُس میں شروع ہی میں لکھا تھا۔ "غازی عثمان پاشا نوری مع عارف پاشا و خلیل بے و ابراہیم بے حاضر بارگاہ عالی ہوئے۔ حضور سلطان المعظم اعظم دام ملکہ و جلالہ کو اُن کے تندرست واپس آنے کی ازحد خوشی ہے۔ بغرض اظہار خوشنودی مزاج ۱۹۔ فروری ۱۸۷۸ء کو ایک جلسہ عام قسطنطنیہ میں قرار پائیگا۔ تمام واپس شدہ فوج کا سلام لیا جائیگا۔ اُن کو انعام اور تمغہ جات تقسیم ہوں گے۔ حضور سلطان کی سواری نکلیگی۔ تمام شہر میں بڑے دھوم کی روشنی ہوگی۔ آتش بازی کا بھی تماشا ہوگا۔ اور تمام ملک میں حضور ممدوح نے بذریعہ فرمان ہدایت کردی ہے کہ جسقدر اظہار خوشی ہوسکتا ہے کیا جائے۔ یہ ایک عجیب جلسہ ہوگا۔ دور دور سے لوگ تماشائی جمع ہیں۔ اور تمام دول یورپ کے دو دو چار چار ریپریزنٹیٹو بغرض اظہار مسرت بارگاہ عالی کے ہاں مہمان ہیں۔"

# خاتمہ

جس وقت کہ مشیر زخمی تھے اور سینٹ پیٹرزبرگ میں اُن کا علاج ہو رہا تھا۔ عارف اُن کے پاس ہمیشہ رہا کرتے تھے۔ بیکاری میں وقت نہیں گزرتا ہے۔ منٹ منٹ اکھڑتا ہے۔ ان ایّام میں کچھ ایسا اتفاق ہوا کہ عارف نے تمام اپنا قصہ مشیر کو کہہ سنایا۔ مشیر نے بہت افسوس کیا اور وعدہ کیا کہ قسطنطنیہ پہنچکر تمہارے معاملہ میں جہاں تک کوشش ہوسکیگی کیجائیگی۔ فیلی پولیس میں جب عارف نے مشیر کی خدمت میں اجازت چاہی بجز مسکرانے اور کچھ نہیں کہا اجازت دیدی۔ اس کے بعد اس امر کا کوئی ذکر تک نہیں آیا۔ لیکن مشیر کو سب باتیں ازبر تھیں۔ عارف کی خدمات کے بہت مشکور تھے۔ قسطنطنیہ پہنچکر حضرت سلطان المعظم کے روبرو تمام عارف کے خدمات اوّل بیان کیئے جس سے حضرت بہت خوش ہوئے۔ پھر اجازت لیکر زینب کے تعلقات کا ذکر چھیڑا اور تمام قصہ اوّل سے آخر تک بیان کرکے درخواست کی کہ حضور کی سعی اس امر میں درکار ہے اور اس کے خدمات کا یہ اعلیٰ ترین صلہ ہوگا۔ حضرت نے خوشی سے وعدہ فرمایا کہ ان دونوں کا عقد انشاءاللہ تعالیٰ ہوجائیگا۔ اور اس جلسہ میں میں خود شریک ہوں گا۔ وزارت کے قایم کرنے کا اہتمام وپیش ہوا چنانچہ مشیر رُکنِ اعظم قرار پائے اور عارف اُن کے پرائیوٹ سکرٹری ہوئے۔ عارف کو بھی خطاب پاشا کا مل گیا۔ ان کے علاوہ وزارت میں اسمٰعیل پاشا۔ مدحت پاشا وغیرہ وغیرہ شامل ہوئے۔ اور سب سے پہلے جو مسئلہ کہ وزارت کے روبرو پیش آیا یہ تھا کہ جن لوگوں نے ارکان ریاست ہوکر نمکحرامی کی ہے اُن کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے کسی نے کوئی سزا تجویز کی کسی نے کوئی۔ مگر عثمان کی رائے ہوئی کہ سب سے زیادہ عفو کے قابل یہ لوگ ہیں کیونکہ ان بیچارے اندھوں کو اپنی بھلائی برائی کی تمیز نہیں۔ یوں راضی پاشا نے بھی نجات پائی اور داماد پاشا نے بھی۔ ہرچند کہ آیندہ تعلق اُن کا سلطنت سے کچھ نہ رہا مگر ان سبھوں نے آیندہ کیواسطے توبہ کرلی کہ آیندہ کبھی ایسا عمل ظہور میں نہ آئیگا اور اُس کا اثر کس قدر اچھا ہوا کہ نیز وہ ترک جن سے قومی ہمدردی جاچکی تھی پھر ازسرنو ہتے لگی

اور وہ بھی سمجھنے لگے کہ ہمدردی کوئی چیز ہے اور ہمدردی کے بغیر ہماری حالت نہیں سُدھر سکتی - ہر چند کہ ان لوگوں کے عمل خراب تھے اور انہوں نے وہ کام کیئے تھے کہ اُن کے لیئے سزائے موت بھی کم نہیں تھی - لیکن عفو تقصیر کے بعد وہ ایسے سُدھرے کہ جب تک زندہ رہے قومی ہمدردی کے آوازے بلند کرتے رہے - ناظرین کو اس سے معلوم ہو گیا ہوگا کہ قصور ہر موقع پر سزا کے قابل نہیں ہوتا - سزا کا مقصد صرف اسقدر ہے کہ قصور کرنیوالا آیندہ اُس قصور کا مرتکب نہو - اور اگر یہ بات حاصل نہ ہو تو اتنا تو ضرور ہو کہ اور دوسروں کو عبرت حاصل ہو - اگرچہ سزا سے اَوروں کو عبرت ضرور حاصل ہوتی ہے مگر قصور کرنے والے کا سنورنا ہمیشہ سزا پر منحصر نہیں ہوتا - اور بعض موقع پر معافی پاکر خود ملزم اچھے بن جاتے ہیں اور دوسروں کو بھی اچھا بنا لیتے ہیں - اس طرح سے معافی کا اثر دُہرا جا پڑتا ہے - ایک معاً اُسی وقت - دوسرا اُس ملزم کے ذریعہ سے - جس کو وہ اپنی مثال سے پیدا کرنا لازمی سمجھنے لگتا ہے ٭

مسٹر یوسف چوبیس ۲۴ گھنٹہ کے عرصہ میں قسطنطنیہ پہنچ گئے - حضرت سلطان المعظم کی خدمت میں پہلے کیا حاضر ہونا تھا مشیر سے پہلے ملے اور تمام جلسوں کا اہتمام اپنے ذمہ لے لیا - اُسی وقت سے کوچہ و بازار کی درستگی شروع ہوگئی - تمام سڑکوں پر روشنی کی خاطر باڑھیں لگائی گئیں - مکانوں پر فانوسوں کیواسطے کیلیں ٹھونکی گئیں - ہر چوراہے پہ بڑے بڑے عالیشان دروازے کھڑے کیئے گئے - محلات کے مشرقی جانب ایک عجیب دھوم تھی اور مغربی جانب پُل پر تو وہ سامان کیا گیا جس سے کچھ نمایش اَور ہی ہوگئی - اب شام کو جوں چراغوں میں بتیاں پڑیں قسطنطنیہ ایک نور کا بُقعہ بن گیا - بندرگاہ کے بارہ ۱۲ ہزار جہازوں پہ وہ روشنی کا عالم کہ معلوم ہوتا تھا کہ آسمان اور زمین میں ایک آگ سی لگ رہی - اوپر سے ستاروں کی بہار - یہاں جہازوں پر روشنی کا تماشا - پانی میں اُس کا عکس کشتیوں کا پُل ایک نور کا پُل تھا - تمام چوراہوں کے کھڑے کیئے ہوئے دروازے کوئی عجیب ہی لطف دکھلا رہے تھے - اور چونکہ گلاس رنگ برنگی لگائے تھے اس لیئے روشنی کا جوبن اَور دوبالا ہو گیا تھا - مساجد کیا - گرجے کیا - خانقاہیں کیا - ہر جگہ روشنی کی دھوم - رات دن کو ماند کرتی تھی - دُور سے چنبیلی کی کلیاں معلوم ہوتی تھیں کہ پھول رہی ہیں مکانوں کے اندر باہر بڑے بڑے جھاڑ قد آدم لگائے گئے تھے - مسجدوں اور گرجوں میں تو

عموماً اسی کی روشنی تھی - اوپر نیچے اِدھر اُدھر کوئی چپہ بھر زمین ایسی نہیں تھی جہاں کوئی نہ کوئی چراغ دھرا نہو - ۳۴۵ مسجدوں میں خصوصاً سلیمانی احمدیہ اور ولیدی میں تو مبارکباد کی اشعار آیات قرآنی - بیلوں اور پھولوں کے اندر سے اس طرح پر ظاہر کیا تھا کہ جس سے صانع کی صنعت ٹپکتی تھی - ۳۶ گرجوں میں ایک سے زیادہ ایک میں اہتمام تھا اور سب سے زیادہ قابل تعریف ایی تھومیا اور تھیوڈورا کے ہلال اور آفتاب کی صنعت تھی - دروازے پر سے گزرتے ہی یہ دونوں جگمگ جگمگ کرتے کچھ اس انداز سے نظر آتے تھے کہ دیکھنے والے کی آنکھیں چوندھیا جاتی تھیں - خاص سلطانی محل کے اوپر ایک روشنی کے جھنڈے میں ہلال ایسا بلند کیا تھا کہ تمام شہر میں کسی جگہ سے دیکھو وہ صاف ایک سا نظر آتا تھا لوگ دیکھنے والے عش عش کرتے تھے کہ اس غیر مہذب اور میلے شہر میں بھی ایسے کاریگر اور صاحب فن آباد ہیں کہ جنہوں نے تمام یورپین نمایشوں پر آج پانی ڈالدیا ہے - طوقہ کے مقام پر آتش بازی کا اہتمام کیا گیا تھا کیونکہ اس کے سوا نہ شہر میں نہ مضافات میں کوئی جگہ ایسی نہ تھی کہ جہاں میدان کافی ہو - ہر قسم کے آتشی سامان مہیا کیے گئے تھے - یہاں بھی تقریباً ہر جگہ کے ماہرین فن جمع تھے اور اپنی اپنی صنعتوں کی داد چاہنے آئے تھے - طوقہ میں اچھی روشنی ہو رہی ہے - تمام جہازوں کا کارخانہ نور علیٰ نور ہو رہا ہے لیکن ہر وقت یہی انتظار ہو رہا ہے کہ اب سلطان روانہ ہوتے ہیں - توپوں پر فلیتہ بردار تیار ہیں کہ ادھر تار کی گھنٹی بجے اور ہم حضور سلطان کی روانگی کا فائر داغیں - اُدھر دوسرے کناروں پر سقوطری کی ست برجی کی توپیں تیار ہیں کہ طوقہ سے پہل ہو تو مبارکباد کے فائر شروع ہوں - اِدھر طوقہ کے نیچے حضرت سلطان کا حربی جہاز بھی اسی امر کا منتظر ہے - اُدھر نقارہ پر چوٹ پڑی نہیں تھی کہ اِدھر تار کی گھنٹی نے طوقہ کے توپچی کو اشارہ کیا کہ ہاں اور دنا دنا دنا پہلا گولہ چل گیا جس سے تمام میں اعلان ہو گیا کہ حضور سلطان اپنے دیوان خاص سے لشکر روشنی کا تماشہ دیکھنے کو روانہ ہو گئے - پار سقوطری کے ست برجیوں نے بھی آواز کے ساتھ ہی آوازہ کیا - پھر جہاز حربی سے سلامی شروع ہو گئی اس طرح پر کہ ایک آوازہ سقوطری کے ست برجی سے نکلے تو دوسرا اس جہاز سے پیدا ہو - اور ان میں بھی ایک عجیب لطف پیدا کیا تھا - توپوں کے آواز سے پیشتر جو ایک دفعہ بھک سے روشنی ہو جایا کرتی ہے اس کا اہتمام کچھ ایسا کیا تھا کہ کبھی وہ سرخ معلوم ہوتی تھی کبھی سبز

کبھی لاجوردی کبھی عنابی - لیکن سب سے زیادہ خوشنما رنگ سفید رنگ تھا جو سورج جیسا نکل کر غائب ہو جاتا تھا -

ادھر توپوں پر توسلامیاں دغ رہی تھیں ادھر سلطان المعظم نقرئی عراقی پر سوار غازی عثمان و عارف دائیں بائیں خلیل اور ابراہیم پیچھے پیچھے ایک ہی قسم کے گھوڑوں پر سوار ننگی تلواریں لیئے آہستہ آہستہ طوقہ کیطرف آگے بڑھتے تھے - سڑکوں کے دونوں طرف باڑھ کے باہر اور چھتوں پر مکانوں کے ایک ہجوم تھا - مگر وہ کشمکش نہیں تھی جیسی ہندوستانی جلسوں میں ہوا کرتی ہے - سب با ترتیب خاموش تھے - صرف ایک مبارکباد کا راگ تھا جو بلند تھا اور وہ بھی دھیمی آواز سے جوں جوں حضرت آگے بڑھتے جاتے تھے وہی مبارکبادی اسی انداز سے اسی چال سے آگے بڑھتی جاتی تھی - اور کوٹھوں پر سے پھول سامنے حضرت کے بکھیرے جاتے تھے - الحمدللہ عجب سماں تھا - آسمانی بہشت معلوم ہوتا تھا کہ زمین پر اتر آئی ہے اور ملائکہ مقربین خود شریک جشن ہو کر اس کی رونق کو دوبالا کر رہے ہیں - مبارکبادی کی آواز - پھولوں کی بکھیر کوئی انسانی عمل معلوم نہیں ہوتا ہے صنعت پروردگار عیاں ہے - وہ نرم نرم آوازوں کا رفتہ رفتہ بلند ہونا اور ایک انداز سے آگے کی طرف ترقی کرنا اور آواز بھی کیسی پیاری آواز - حضرت کا آہستہ آہستہ آگے بڑھنا - مشیر اور عارف کا ننگی تلواروں کے ساتھ ہمراہ ہونا اور وہ تلواریں بھی کیسی جو ہر ہر قدم پر بجلی کی طرح روشنی کے عکس سے کوندتی جاتی ہو کیا سماں تھا - تمام اس وقت جو گردوپیش تھے اسی میں محو تھے اور سارے قسطنطنیہ میں شاید ہی کوئی ہو جو آج کی رات بھی ہمکرام رہا ہو - سواری پیچیں راستوں سے گذرتی ہوئی لوگوں کے انبوہ اور دلی مسرت کے وفور کو دیکھتی ہوئی غلطہ کی بلندی پر پہنچی - یہاں سفراء دول اور تمام یورپین مملکتوں کے بڑے بڑے اصحاب - سلطانی مہمان حضرت سلطان کے منتظر تھے - جب یہاں پہنچے ایک چوق یشا کا نعرہ بلند ہوا - اس کے بعد دوسرا - اس کے بعد تیسرا - حضرت سلطان المعظم اپنے اسی انداز سے خراماں خراماں جا رہے تھے اور معلوم ہوتا تھا کہ ان پر ان نعروں کا کوئی اثر نہیں ہوا - یہاں سے تمام یورپ کے تماشائی زرق برق کی پوشاک میں عراقی اور تازی پر سوار حضرت سلطان کے ہمرکاب ہو لیئے - یہاں سے طوقہ تھوڑی ہی دور رہجاتا ہے - یہاں تک توپوں کی سلامیاں برابر جاری تھیں - جونہی طوقہ پہنچے ہیں ادھر سلامی بند ہوئی - ادھر نقارہ کے اوپر چوٹ پڑی

اور ایک آتشبازی کا علم جس میں ہلال نکل رہا تھا معلق ہوا میں بلند ہوا جس سے ستارے نکلتے تھے اور اونچے جاکر پھوٹ جاتے تھے۔ اُس میں سے رنگ برنگ کے تارے کوئی اس طرف اور کوئی اُس طرف۔ غرض ہر چہار طرف نکل کر پھوٹ جاتے تھے اتنے میں اور چرخیوں آتشبازی کے درختوں میں آگ لگادی گئی۔ وہ حصہ بھی جو اب تک تیرہ و تار پڑا تھا روشنی کی چمک سے چمنستان بن گیا۔ ہر قسم کے پھول کوئی چھوٹا کوئی بڑا اور ایک ایک پھول میں مختلف قسم کے رنگ ظاہر ہوتے تھے۔ یہاں ایک نشست کا چبوترہ خاص تیاریوں کے ساتھ کھڑا کیا گیا تھا۔ حضرت سلطان کے واسطے تخت طاؤس کا ایک مرصّع کار تخت بچھا تھا۔ اُس کے اوپر خود حضرت تشریف فرما ہوئے۔ دونوں جانب مشیر اور عارف اسی ہیئت سے کھڑے رہے۔ پیچھے کی طرف خلیل اور ابراہیم اور اُن کے پیچھے تمام اراکین سلطنت اور دول خارجیہ کے تماشائی۔ آتش بازی کی دھوم دھام ایک عرصہ تک قایم رہی۔ اس کے بعد یہاں کا جلسہ برخاست ہوا اور سلطان المعظم اُسی انداز سے محلسرائے تشریف لائے۔ یہاں سے مشیر۔ عارف اور ابراہیم و خلیل بھی رخصت ہوکر اپنے اپنے مکانوں پر آئے۔ روشنی رات بھر اُسی شدومد کے ساتھ ہوتی رہی اور تمام رات راستہ چلتا رہا۔ سب تماشائی اپنے دیکھ بھال میں مشغول رہے۔ ان میں ہر ایک قسم کے لوگ تھے مگر مسٹر یوسف کا وہ انتظام تھا کہ معترضین کی زبانیں بند تھیں۔ سب کے مونھ سے سوائے واہ واہ کے اور کچھ نہیں نکلتا تھا۔ جس راستہ سے کہ حضرت سلطان گزر رہے ہیں اُسی راستہ کے ایک چھت پر اُس جگہ جہاں غلطہ اور پیرا کا میل ہوتا ہے زینب اپنی ماں کے ساتھ بیٹھی تھی اور جس قدر غور سے کہ زینب نے اس سواری کو دیکھا اور اُس وقت بھی جبکہ حضور کے ہمرکاب معزز تماشائی ہوئے کسی اور نے ہرگز نہیں دیکھا ہوگا۔ یہ ہمہ تن اُسی میں مصروف تھی اور ہر ہر قدم پر اپنے **عارف** کی پیروی کرتی جاتی تھی۔ اُس عالم میں کہ سب پھول بکھیر رہے تھے زینب نے بھی دو پھول اپنے عارف کے مارے۔ اور وہ ٹھیک اُس کے رخساروں پر جاکر لگے۔ عارف نے مونھ پھیر کر اوپر کی طرف دیکھا۔ دونوں کی نگاہیں چار ہوئیں۔ وہ اُدھر نیچی نظروں سے ہنس پڑی۔ یہ ادھر مسکرا دیا۔

**مسٹر یوسف** :- یہ جو بائیں طرف سجیلا جوان حضرت سلطان کے ننگی تلوار لیئے ایک ہی انداز سے جا رہا ہے۔ یہ کون ہے۔ اسکی شان کوئی عجیب ہے۔ میں نے تو اپنی تمام عمر میں

ایسا طرحدار جوان کوئی نہیں دیکھا"

مسنر یوسف نے اس قدر حیرت کی نگاہ سے یہ فقرہ بیان کیا کہ جس سے معلوم ہوتا تھا کہ اُس کا سجیلا پن اور بانکپن اُس کے اوپر بھی اثر کر رہا ہے۔ زینب نے جو تعریف سُنی اُس سے رہا نہ گیا اور بے اختیار اُس کے موںھ سے نکل پڑا اگرچہ کہکر وجاہت پچھتائی :-

زینب "یہی تو عارف پاشا ہیں"

زینب نے کہنے کو تو کہدیا مگر اُس کو یہ خیال لگا رہا کہ میری ماں نے اگر اور سوال کیئے تو اُس کا کیا جواب دوں گی"

مسنر یوسف "عارف کون؟ مَیں نے تو یہ نام بھی نہیں سنا"

زینب "وہی عارف۔ جن کی نسبت روزانہ اخبار میں روز سُنا کرتی تھیں کہ بڑا جواں مرد جاں باز ہے"

مسنر یوسف "آخری حلہ میں بھی مشیر کے ساتھ تھے۔ انہوں ہی نے تین میل کا میدان ایک وار میں صاف کر دیا تھا"

زینب "جی ہاں یہی۔ اور یہی مشیر کے خاص مشیر تھے۔ انہوں نے بڑے بڑے کام کیئے ہیں"

زینب کو کیا معلوم تھا کہ کل انہیں سے ہماری نسبت ہو جائیگی اور مسنر یوسف کو کیا خبر تھی کہ یہ سجیلا جوان ہمارا داماد ہو گا +

دوسرے روز عام دربار کوئی دس بجے قرار پانیوالا تھا۔ نذریں بھی اسی وقت دکھائی جائیں گی۔ تمام فوج بھی اُسی وقت سامنے سے گزریگی۔ مختلف شعراء کے قصائد بھی اُسی وقت لیئے جائیں گے۔ وقت تو دس بجے کا مقرر تھا مگر مشیر اور عارف قربت کی وجہ سے نماز کے بعد ہی سے حاضر ہو گئے۔ مسٹر یوسف کو بھی بلوالیا سمجھے کہ یہ اچھا وقت ہے۔ اسی وقت ذکر چھیڑینگے۔

عارف کا دل دھڑک رہا تھا اور ایک تشویش میں گرفتار تھا کہ کہیں اس میں ناکامیابی ہوئی تو تمام عمر کے لیئے محروم رہجاؤں گا۔ اُدھر زینب کو خبر تک نہیں تھی کہ کیا ہونیوالا ہے کیا نہیں۔ کون سمجھ سکتا ہے کہ شاہی درباروں کے ساتھ اس چھوٹی سی شادی

کا بھی تعلق ہو۔ حضرت سلطان بھی نماز اور وظائف سے فارغ ہو کر دربار خاص میں جہاں یہ تینوں منتظر تھے آ گئے۔

**حضرت** "اپنا انتظام اچھا کیا۔ تمام دول یورپ کے آگے رات کا سماں ایک عجیب سماں تھا"

اِدھر حضرت نے مسٹر یوسف کی طرف خطاب کیا۔ اُدھر عارف کی طرف مشیر نے دیکھا اور عارف نے یاس بھری نظروں سے مشیر کی طرف دیکھا۔ مشیر نے حضرت کی طرف دیکھا تو اُن کے چہرہ سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ کہہ رہے ہیں کہ مجھے تمہاری باتیں ذرا ذرا سی یاد ہیں۔

**مسٹر یوسف** "حضور کے اقبال اور فیضان فیض کا نتیجہ ہے"

**حضرت** "ہم آپکی تندہی اور جانفشانی سے از حد خوش ہیں۔ اور آپ کو اُس کا صلہ ملیگا لیکن آپ سے ہمیں ایک بات کہنی ہے"

**مسٹر یوسف** "حضور کے نمکخوار۔ پروردہ نعمت ہیں۔ جو حکم۔ بسرو چشم حاضر"

**حضرت** "کچھ مسئلہ اگر تم ماننے کا وعدہ کرو تو کہیں"

یوسف سمجھ گیا کہ ہو نہو کچھ اُسی کا ذکر معلوم ہوتا ہے۔ کیفیت یہ تھی کہ حضرت سلطان کی صلاح سے مشیر نے یوسف سے یہ معاملہ پہلے چھیڑ رکھا تھا۔ مشیر کا کہنا بھی تو کوئی معمولی کہنا نہیں تھا۔ اس طرح سے عقد کا ذکر درمیان لائے کہ یوسف کو اُس وقت تو سبھی پہلو اُس کے محمود نظر آئے۔ چنانچہ اپنی بیوی سے بھی ذکر کیا۔ اُس کا مزاج اور قسم کا تھا۔ اور یوسف تھے سیدھے سادے دوکاندار۔ اس رمز سے بھی ذرا کم ہی واقف تھا۔ کہ نازک معاملہ کا ذکر کیا جاتا ہے کیونکر۔ گھر پہنچتے ہی بے تکان جو کچھ کہ مشیر سے سن آئے تھے بی بی کے سامنے اُگل دیا۔ اُس نیکبخت کو دوسرے کا جبر گوارہ نہیں تھا۔ خود کر کچھ چاہے کچھ ہی کیوں نہ کرتی مگر دوسرے کے کہنے سے کچھ کرنا اُسے شاق تھا اور بیٹی کے بیاہ میں طرہ اُس کے اوپر کہ اُس کے پسند کی ہوئی جگہ کے خلاف سُن کر آگ بھبوکا ہی تو ہو گئی اور پاس تہذیب سے باہر نکل گئی۔ اپنے خاوند سے کہا تمہیں کیا مطلب زینب کی شادی سے۔ اور اُس مرموے کو کیا پڑی جو اس میں دخل دے۔ میری لگائی بات کیا بُری تھی جو آج یہ دوسری نسبت قرار پاتی ہے۔ میں بیٹی کو ذبح کر ڈالوں گی اور

یہ بات تو ہرگز نہ ہونے دوں گی۔تم جان بوجھکر مجھکو ذلیل کرتے ہو۔تمہارے آگے میری کوئی وقعت نہیں۔میں زینب کے حق میں کوئی نہ ٹھہری اور باہر کے نگوڑے مردوئے سب کچھ ہوگئے۔وہ تو تمہارے دوست ٹھہرے نا۔میں تو تمہاری اور زینب کی دونوں کی دشمن ہوئی۔میں مرجاؤں مجھے پہلے مار ڈالو۔پھر جو جی چاہے سو کرنا۔اپنے جیتے جی تو یہ رسوائی مجھ سے دیکھی نہیں جاتی ہے۔یہ کہکر اُس کرسی پر سے اُٹھی جس پر کہ وہ بیٹھی تھی۔دل میں غالباً خیال آیا ہوگا کہ یہ سارے کرتب اسی مُسلٹے کے ہیں۔ذرا اس کو تو اچھی طرح جھنجوڑ لوں۔یوسف سمجھ گیا کہ معاملہ دگرگوں ہوا چاہتا ہے۔اُلٹے پیروں ہی کھسک آیا اور جی میں کہتا تھا میں نے یہ کیا ناحق کی بلا اپنی گردن لی۔ادھر بیٹی عارف کے نام پر فدا تھی۔کچھ سنگن اُس کے کان میں جو پڑی اُس نے تو اسی وقت سے فریاد شروع کردی۔لیکن یوسف کو اس کا حال کچھ بھی معلوم نہیں تھا کہ بیٹی کی کیا نوبت ہے حضور سلطان نے جو اس طرح کہا تو سارا سماں گھر کا اُسکی آنکھوں تلے پھر گیا۔

**مسٹر یوسف**" اگر جان بخشی ہو تو غلام کچھ عرض کرے "

حضرت سلطان نے اشارہ کیا کہ اچھا کہو۔اور اُس نے سارا قصہ اپنی مصیبت کا بیان کردیا۔

**حضرت**" (مسکراکر) کیا مضائقہ ہے۔ابکی دفعہ کامیاب ہوگئے۔عارف کو ہمراہ لیتے جاؤ اگر صورت بن جائے تو اُسی وقت اپنی رسم کے مطابق دونوں کا عقد کردینا۔بعد میں ہم بھی شریک ہوں گے۔مسٹر یوسف اس میں تمہاری بھلائی مجھ کو اوّل منظور ہے۔تمہاری لڑکی کی کیفیت سن چکا ہوں اور اس سے بڑھکر کوئی امر محمود میرے خیال میں نہیں۔کہ دونوں کا عقد جلدی ہوجائے۔اہل کتاب میں آخر شادیاں ہوتی رہی ہیں۔اسکا تکلف فضول ہے "

کچھ دربار کا رعب۔کچھ سلطان کا اپنی زبان مبارک سے فرمانا۔شیر کی تائید۔یہ باتیں ایسی نہیں تھیں کہ یوسف کو زبان ہلانے کا یارا ہوتا" جو حکم " کہکر وہاں سے عارف کو ہمراہ لیکر رخصت ہوا۔

**یوسف**" سخت مشکل کا مقام ہے "

**عارف**" آپ گھبرائیں نہیں۔کوئی امر دشوار نہیں "

یوسف کو تو اُس مردمار عورت کا ڈر تھا۔ ہر ہر قدم پر اسی بات کا خیال تھا کہ ابکی دفعہ کمبخت جھکے تو زبانی کہا تھا۔ اس دفعہ اُس مردوئے کو اپنے ساتھ لگا لایا۔

**یوسف** "۔ عارف تم بھی مصیبت میں گرفتار ہو جاؤ گے۔ میں تو گرفتار آلام بیٹھا ہوں"

**عارف** "۔ آپ کوئی خوف نہ کریں۔ یہ باتیں ہمیشہ رہنے والی نہیں ہوتیں"

اسیطرح سے دونوں گفتگو کرتے ہوئے جا رہے تھے۔ عارف کو ایک قدرتی خوشی تھی۔ یوسف کا دل دھک دھک کر رہا تھا کہ معلوم نہیں کس مصیبت سے واسطہ پڑے۔ اللہ اللہ کرتا جا رہا تھا۔ اتنے میں گھر کا دروازہ بھی آگیا۔

**یوسف** (نہایت لجاجت سے) "آپ کا کوئی حرج نہیں۔ ذرا یہاں ٹھہر جائیں میں ابھی آتا ہوں"

**عارف** "۔ بہتر جیسا آپ کو منظور ہے"

یوسف خود مکان کے اندر گیا۔ وہاں دیکھا کہ کچھ اَور ہی عالم ہے۔ بیٹی چارپائی پر پڑی ہوئی ہے اور ماں اُس کے اوپر جھکی ہوئی ہوئے ہوئے آنسو ڈھل ڈھل بہا رہی ہے۔ یوسف کو اتنی جراُت کہاں پڑ سکتی تھی کہ کچھ کہتا۔ حواس باختہ پاس جاکر کھڑا ہو گیا۔

**مسز** "۔ دیکھو اپنی بیٹی کا حال"

**مسٹر** "۔ کیا ہوا"

**مسز** "۔ روتے روتے بے دم ہو گئی ہے۔ ابھی مرا چاہتی ہے۔ کوئی صورت زندگی کی نہیں۔ ہچکیاں لے رہی ہے۔ کوئی دم کی مہمان ہے"

جبکہ مسز یوسف بے تحاشا اپنے خاوند کے گرد ہوئی تھی اور اُس کو بے نقط سنانے لگی تھی تو اُس کی سنگنی زینب کے کان میں پڑی تھی۔ اُس کے سامنے اس بات کی تصویر کھنچ گئی کہ اب میں جو دم توڑ رہی ہوں اپنے حبیب سے اس زندگی میں تو نہیں مل سکتی۔ اُٹھی کہ وہاں سے جا کر چھپ رہوں۔ مگر وہاں پانوں میں جان کہاں تھی۔ پچھاڑ کھا کر گر پڑی اور بے ہوش ہو گئی۔ ماں کہاں مسٹر یوسف کو کوس رہی تھی۔ کہاں کوستا اوسنا سب بھول گئی۔ دوڑ کے بیٹی کو اُٹھا لیا۔ چھاتی سے لگا لیا۔ مونھ چوما۔ مگر وہ بیہوش تھی

اُس کو چارپائی پر لٹا دیا اور اُس وقت سے اب تک جھکی ہوئی روتی ہے۔ زینب غافل ہے۔ بیہوشی کے عالم میں عارف کا نام زبان سے نکل جاتا ہے اور کچھ نہیں ہے بڑے بڑے سانس لے رہی ہے۔ ہچکیاں لگ رہی ہیں۔ چہرے پر زردی آگئی ہے ہاتھ پاؤں ٹھنڈے ہو چلے ہیں۔ بس ظاہرا تو کوئی دم کی مہمان ہے۔ ماں ہر ہر لحظہ زیادہ اور زیادہ مایوس ہوئی چلی جاتی ہے۔ اور آنسو اُس کے کسی طرح نہیں تھمتے۔

مسز:۔ ہائے لوگو۔ میں تو لٹ گئی۔ کس گھڑی میں صوفیہ سے روانہ ہوئی تھی:۔

مسٹر:۔ گھبراؤ مت۔ اسکا علاج سہل ہے:۔

مسز:۔ تو میں وارے گئی تمہیں کچھ کرو۔ ہائے میں تو دیوانی ہوگئی:۔

مسٹر:۔ تو وُہی آئیگا جس کے نام پر تم خفا ہوئی تھیں:۔

مسز:۔ کوئی بھی آئے۔ میں کسی پر خفا نہیں۔ میری بچی جی جائے۔ ہائے کلیجہ مسوستا ہے:۔

مسٹر یوسف دروازے پر گئے اور عارف سے کہا آئیے۔ اُس کو کیا معلوم تھا یہاں کیا ہوگیا ہے۔ دروازے کے اندر گھستے ہی اُس کا ماتھا ٹھنکا۔ بائیں آنکھ لپ لپ پھڑکنے لگی۔ دل بیٹھا جاتا تھا۔ پھر کہا لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔ اپنے آپ کو سمبھالا۔ آگے بڑھا اور دوسرے آن میں زینب کی چارپائی کے مقابل کھڑا تھا۔ یہ دیکھکر جی سن سے نکل گیا۔ یہاں تو کچھ اور ہی حال ہے۔ اُدھر یوسف نے اپنی بی بی سے کہا۔ ذرا ایک طرف ہو جاؤ۔ ابھی کوئی دم میں ہوش آئی جاتی ہے۔ تمہارے بیمار کا معالج آگیا ہے۔ گھبراؤ مت۔ اپنے آپ کو سمبھالو۔ اُدھر عارف کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔

عارف:۔ (~~کان سے منہ لگاکر~~) زینب او زینب۔ تم ہمکو اکیلا چھوڑ چلیں۔ یہی وعدہ تھا:۔ (مُنہ کان سے لگا کر)

مگر زینب کہاں۔ وہ بے ہوش تھی۔ اُسے کوئی خبر نہیں تھی۔ عارف نے پانی لیکر ماتھے پر کئی چھینٹے دیئے اور دیکھا کہ کوئی رمق جان باقی ہے۔

عارف:۔ زینب۔ زینب ذرا ہوش میں آؤ۔ دیکھو کون کھڑا ہے۔ اور کیسا منتظر ہے:۔

زینب کچھ کلبلائی۔ عارف نے کہا کہ ابھی دم باقی ہے۔ بے اختیار ہوکر اُس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیکر اپنے سینہ سے لگا لیا اور کہا دیکھو یہاں کیا حال ہے اور تم وہاں غافل پڑی ہو

کچھ عارف کی جادو بھری آواز۔ کچھ عارف کے قربت کی جادو بھری تاثیر۔ کچھ عارف کے ہاتھوں کے پانی کے چھینٹے۔ سب مِل ملاکر اُس کے دماغ میں ایسے مؤثر ہوئے کہ اُس نے پٹ سے آنکھیں کھولدیں۔ اور عارف کو جو اُس نے پایا بالمقابل آنکھوں کے سامنے اُس کا ہاتھ پکڑلیا۔

**زینب** "(بڑے ہی درد کی آواز سے) ہم اب نہیں جانے دیں گے۔ رسوائی ہو ہوا کرے"

**عارف** "زینب صبر کرو"

عارف کو تو معلوم تھا کہ زینب کے ماں اور باپ دونوں پاس کھڑے ہیں۔ اُس کو پاس ادب تھا۔

**زینب** "یہاں سب میرے دشمن ہیں۔ مجھے یہاں سے لیچلو"

**عارف** "دشمن کوئی نہیں۔ میں ہی تنہا ہوں۔ مجھے ہی جو چاہو کہہ لو" (نہایت دھیمی آواز سے۔ مگر زینب۔ اور عارف کی آواز نہ سُنتی)۔

**زینب** "تمہیں کیا کہوں۔ تمہارا ہی تو سارا روگ لگا ہے (روکر) اب میں نہیں جانے دوں گی"

**عارف** "نہیں میں کہیں نہیں جاتا۔ کچھ کھالو"

**مسنر** "بیٹا۔ میری بچی جی جائے۔ چاہے تیری ہی ہو کر رہے"

عارف نے چمچہ میں کچھ تھوڑا سا ساگو دانہ جو سرہانے رکھا تھا اور معلوم نہیں کس نیت سے تیار کیا گیا تھا زینب کے مونھ کے پاس کیا۔

**عارف** "بہت صدمے اُٹھائے ہیں۔ کچھ کھالو۔ پھر باتیں کرینگے"

زینب کو عارف کے ہاتھوں زہر بھی آب حیات تھا۔ ساگو کا چمچہ پی گئی۔ اُس کے بعد دو چار اَور۔ اس سے دل میں کچھ تقویت آئی۔ اُٹھکر بیٹھ گئی۔ لیکن مونھ پر وُہی صدا تھی۔

**زینب** "عارف۔ دل و جان عارف۔ ابتو ہم نہیں جانے دیں گے۔ اگر تم چلے گئے۔ تو دیکھ لو۔ پھر ہم نہ ہوں گے۔ اگر اَور ذرا دیر کر کے آتے تو ہم ملتے"

**عارف** "زینب ہوش کرو۔ گھبراؤ مت۔ ہماری ملنے کا زمانہ عنقریب ہے"

زینب نے کچھ تھوڑا سا پانی پیا۔ جسم میں پھر کچھ طاقت آگئی۔ یہ بھی معلوم ہونے لگا کہ مَیں کہاں ہوں اور کس حالت میں ہوں۔ مگر بیقراری تھی کہ کم نہیں ہوتی تھی۔ اتنے میں ماں باپ دونوں اندر آ گئے۔

مسنز (نہایت تسلی سے) بیٹی گھبراؤ مت۔ عارف تم سے اب جدا نہیں ہوگا۔ مجھ نگوڑی کی مت ماری گئی تھی کہ میں نے تمہارے باپ کی مخالفت کی تھی۔ تم خاطر جمع رکھو۔"

زینب نے آبدیدہ ہوکر اپنی ماں کی طرف دیکھا جس سے معلوم ہوتا کہ اُسکو مسنز یوسف کی باتوں کا پورا بھروسہ نہیں ہے۔

مسنز "ابھی میں نکاح پڑھانے والے کو بُلاتی ہوں۔ وہ تم دونوں کا سنجوگ ہیں کیئے دیتا ہے"

چنانچہ مسٹر یوسف باہر گئے اور اپنی قوم کے ایک یہودی پادری کو بلالائے اُس نے بہتیرا کہا کہ مسلمان سے نکاح نہیں ہو سکتا۔ مگر زر علیہ السلام بڑی چیز ہیں۔ روپیہ دیکر اور روپیہ کی لالچ دیکر اُس کو راضی کرلیا اور اُن دونوں کا نکاح پڑھ دیا گیا۔

اِس وقت زینب کے چہرہ پر جو بشاشت تھی اُس کا اظہار الفاظ سے ممکن نہیں۔ ہاں اگر خیال کیا جائے تو ممکن ہے کہ اُس کو اتنی قدرت ہو کہ اُس کا پورا اندازہ ہو سکے۔

اُدھر سلطانی دربار میں نذریں دکھلائی گئیں۔ شاعروں نے قصیدے پڑھے۔ سامنے سے تمام فوج کا گزر ہوا۔ آخر میں سب کو انعام اور خلعتیں بیش بہا تقسیم ہوئیں۔

اِن سب اُمور کے طے پانے کے بعد زینب کی شادی کا جشن قرار پایا اعلیحضرت خود شریک ہوئے۔ اسلام کے طریقہ پر دوبارہ شادی ہوئی۔ زینب نے مسلمان ہونا قبول کیا۔ اُس کے ماں باپ بھی اُنہیں کے ساتھ مسلمان ہو گئے اور اِس جشن میں وہ دھوم دھام ہوئی جو شاہی جشنوں میں بھی شاید ہی ہوتی ہے۔ اعلیحضرت نے دولہا اور دُلہن دونوں کو خلعتیں بخشیں۔ مشیر نے بھی بڑی داد و دہش کی

اس جلسہ میں غریب عصمت بھی شریک تھی اور وہ عارف کے لیئے بجائے ماں کے تھی۔ سر پر چادر اُسی نے ڈالی۔ بیٹے کی طرف سے جو جو کہ رسمیں ہوتی ہیں سب اُسی نے ادا کیں۔ عارف اُسے ماں سے زیادہ سمجھتا تھا۔ شادی کے بعد اعلیحضرت نے عارف کو مُبارکباد کہا۔ تمام ارکین ریاست کیطرف سے مبارک سلامت کے پیام آئے۔ عصمت عارف کے مکان میں رہنے لگی۔ تمام غم غلط ہو گئے۔ عشرت کے دن آئے۔ جیسے اِن کے دِن پھرے اللہ کُل جہان کے دن پھیرے ؛

ــــہ

## نوشتہ بماند سیاہ بر سفید

## نویسندہ را نیست فردا اُمید

مورخہ ۲۴ فروری ۱۹۰۹ء

# تمت

## شہید وفا

ت ہی دلپذیر پر اثر قصہ سپین کی تاریخ سے لیکر ایک ڈراما کی طرز پر لکھا گیا ہے یہی ایک کتاب ہے کہ جس کے ذریعہ سے نظر آسکتا ہے
ب کے زوال کے وقت ہسپانیہ عظمیٰ میں مسلمانوں کی کیا حالت تھی۔ مصنفہ شرر۔ قیمت .. .. .. .. .. عہ

## دلربا

ایک دوسرے شخص کی منکوحہ بیوی کے ساتھ عشق اور اپنی بیوی کو چھوڑ کر ناکفو عورت سے آشنائی اور نیکبخت عورت
کی پارسائی کا سچا نمونہ ناول کے انداز میں دکھایا گیا ہے .. .. .. .. .. .. .. ۶ر

## بزم خیال

یہ ناول حال ہی میں تیار ہوا ہے اس قابل ہے کہ ہر ایک مہذب لائبریری اور ہر ایک معزز کتب خانہ میں موجود رہے۔ اس کے
پڑھنے سے بہت سی نصیحتیں حاصل ہوتی ہیں بہت سے ناول آپ نے دیکھے ہونگے مگر اسکی خوبی دیکھنے سے معلوم ہو جاتی
ہے۔ قیمت .. .. .. .. .. .. .. .. .. .. .. .. ۱۲ر

## شام نراین اور پاربتی

معروف چھوٹا خاوند اور بڑی بیوی یعنی وہ دلچسپ قصہ جس میں ایک نوجوان ہندو لیڈی کی مصیبت اور مجبوری نامحرم رشتہ دار و
لالچ۔ لالچی برہمن کا دادیلا۔ جوا نامرگی۔ طالب علمی اور عشق۔ دوستوں کی رفاقت عشق اور مصیبت۔ پولیس کی تفتیش ..
کا زندہ ہونا۔ بردہ فروشوں کی ناجائز کارروائیوں کا نقشہ حسن عشق۔ ایک لایق اور سچے عاشق کی بیتابی
رچپار کی بدمستی .. .. .. .. .. .. .. .. .. .. .. ۱۴ر

## طشت از بام

کتنا چھپایا راز محبت نہ چھپ سکا — افسانہ اُن کے عشق کا مشہور ہوگیا

سی کرنی ویسی بھرنی یا طشت از بام یعنی مقبول دلبر۔ دلدار۔ دلربا۔ وغیرہ جوان کنواری لڑکیوں اور نوجوانوں بیوہ عورتوں
قصہ۔ جسے مولوی سید احمد صاحب یاس لکھنوی نے اپنے بعض پنجابی احباب کی فرمایش سے ایک فرضی قصہ لے کر
دان لڑکیوں کو پڑھا لکھنے اور اُن کو بے حد آزادی دینے والے اور پردہ کے مخالفوں کی فہمایش کے لئے
تصنیف کیا .. .. .. .. .. .. .. .. .. .. .. ۶ر

## سجاد سنبل

نہایت دلچسپ ڈراما ہے پڑھنے جائیے اور خوش ہوتے جائیگا۔ اگر زیادہ لطف دیکھنا ہو تو ایکٹ کرا کر دیکھئیگا۔ قیمت .. .. ۸ر

## شمشاد سوسن

یہ بھی ایسا ہی دلچسپ ڈراما ہے۔ جو بنگالی زبان سے ترجمہ کرایا ہے۔ پڑھتے پڑھتے لوٹ نہ جاؤ تو کہنا .. .. .. .. ۵ر

# دلفریب چہار حصہ

## حصہ اول

غدر کے زمانہ کے حالات ایک شریف خاندان کی تباہی۔ بے بسی اور بیکسی کی تصویریں ظالموں کا ظلم مظلوموں کا صبر۔ پڑھتے رو نہ پڑو تو کتاب واپس .. .. .. .. .. .. .. .. ۶ر

## حصہ دوم

یعنی مس کیری کی عیاری صغرا اور بھگوان دئی کی چڑیا گھر دکھانے کے بہانہ سے فراری غریب صغرا اور بھگوان دئی کی آہ وزاری گھر لیجانے کے بہانہ سے ریلگاڑی کی سواری۔ جانعالم کا دیوانہ پن۔ مرض عشق کی تشخیص۔ دوسری شادی کی تیاری۔ برات کے وقت دولھا غایب۔ جانعالم کا عیسائی ہونا۔ لونگ بیرڈ کی لاپرواہی۔ شبنو مشن کا استقبال۔ بلیک ڈوگ کا حسب نسب۔ مس ہیوڈی کی شرافت۔ دہلی ۱۸۵۷ء کے غدر کے حالات۔ غرضیکہ آب زر سے لکھو جانے کے قابل کتاب .. .. ۸ر

## حصہ سوم وچہارم

غدر ۱۸۵۷ء کے متعلق۔ مس صغرا پر ظلم۔ جانعالم کے والدین کی چارہ جوئی عدالت عیسائی حکام کا پاس مذہب جانعالم کا دہلی مشن سے غائب ہوکر شبنو مشن میں پہنچنا۔ صغرا سے ملاقات بند۔ صغرا پر آفت۔ صغرا اور جانعالم کا ایک دوسرے سے درد دل کہنا۔ جانعالم کے والدین کا مقدمہ خارج ہونا۔ جانعالم اور صغرا کا فرار ہونا۔ انبالہ میں گرفتاری۔ دہلی والے مقدمہ کا انبالہ میں دائر کرنا۔ صغرا اور جانعالم کے والدین کا آنا۔ جانعالم کی ضمانت ہونا۔ صغرا کو پھر عیسائیوں کے ہاتھ میں جانا۔ ایک پادری مزاج حکام کی زبردستی۔ مقدمہ کا فیصلہ۔ جانعالم کی بریت۔ صغرا کا والدین کو واپس ملنا۔ صغرا کی موت کا دردانگیز واقعہ۔ جانعالم کی دوسری شادی۔ مصنف کتاب کی ضروری گذارش۔ غرضیکہ عیسائیوں کی بدافعالی اور حیلہ سازی کی ہوبہو تصویر اور ناول کا خاتمہ۔ پڑھ کر رو نہ پڑو تو حلف پر کتاب واپس .. .. .. .. .. عہ ر

## ہر چہار حصہ قیمت سہ آر

## زبیدہ خاتون

ایک نہایت دلچسپ اور پردرد سچا واقعہ ناول کے حروف کیا ہیں تیر ونشتر ہیں کلیجہ سے باہر ہوئے جاتے ہیں اس کتاب کا ایک صفحہ دیکھ لینے سے بغیر ختم کئے کتاب کے آپ کوئی کام نہ کر سکینگے۔ لکھنو کی شستہ زبان .. .. .. .. .. .. ۱۲ر

المشتہر

منشی فضل الدین ککے زئی تاجر کتب قومی و مالک اخبار اشاعت بازار ... ...